ماہنامہ

حکمت بالغہ

نومبر 2009

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس: 0092-47-7628361

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ http://jhanghikmat.co.cc/ یا

www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

فرمانِ خداوندی

رسول اللہ تمہارے لئے مغفرت مانگیں

تو سر ہلا دیتے ہیں

اور تم ان کو دیکھو کہ تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں

ان کے حق میں برابر ہے کہ تم ان کے لئے مغفرت مانگو یا نہ مانگو

اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا

بے شک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ

ان پر خرچ نہ کرو جو اللہ کے رسول کے پاس (رہتے) ہیں

یہاں تک کہ یہ (خود بخود) بھاگ جائیں

حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں

لیکن منافق لوگ نہیں سمجھتے

کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے

تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے

حالانکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مؤمنوں کی

لیکن منافق نہیں جانتے

اے ایمان والو!

تمہارے مال اور اولاد تم کو غافل نہ کردے

اللہ کی یاد سے

اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں

اور جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرلو

اس وقت سے پیشتر کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے

تو (اس وقت) وہ کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار
تو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی

تا کہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا

اور اللہ ہرگز مہلت نہیں دیتا کسی کو

جب اس کی موت کا وقت آ جائے

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے
﴿صدق اللّٰہ العظیم﴾

حرف آرزو

اتحاد امت کے لئے

کرنے کے ـــــــ بنیادی کام

حصہ دوئم

(گذشتہ سے پیوستہ)

انجینئر مختار فاروقی

امت مسلمہ عالمی سطح پر آج جس ذہنی خلفشار اور فکری پریشانی کا شکار ہے وہ کسی صاحب نظر اور دردمند مسلمان سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور گذشتہ ایک صدی سے یہی کیفیت جاری ہے مولانا حالی (وفات 1914ء) نے کہا تھا۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسُل وقت دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

بے چارگی کا یہی منظر ایک صدی پہلے بھی تھا اور آج بھی صورت حال کوئی زیادہ مختلف نہیں ہے۔ عالمی سطح پر مسلمانوں سے صرف نظر کر کے ذرا اپنے وطن پاکستان اور ہموطنوں پر نظر دوڑائیں تو کیفیت مزید دل شکن اور روح فرسا ہے۔

گذشتہ شمارے میں پاکستان کے بانیان علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے حوالے سے عرض کیا گیا تھا کہ جس پاکستان کا خواب انہوں نے دیکھا تھا یا مستقبل کا جو سہانا نقشہ مسلمانانِ ہند کو انہوں نے دکھایا تھا وہ ـــــــــ نقشہ تا حال نقش برآب کی طرح ایک موہوم خواہش سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ اس کی وجوہات بے شمار ہیں اور پوری قوم اس کی مجرم ہے

ایک LAYMAN کے نقطہ نظر سے تو صورت واقعہ پر تبصرہ صرف یہ ہے کہ

ے وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

تاہم فکری اور نظریاتی سطح پر حالات کا تجزیہ وہی ہے جو علامہ اقبال نے ''جواب شکوہ'' میں ایک صدی پہلے دیا تھا۔

ے وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

رجوع الی القرآن کا بھی کام نصف صدی پہلے شروع ہوا تھا تاہم کافی پیش رفت کے باوجود ابھی بہت سا کام باقی ہے۔ انسانی معاملات میں حالات کی گردش اور گھڑی کی سوئیوں کو آگے بڑھنے سے نہیں روکا جا سکتا لہٰذا رجوع الی القرآن کے کام کے ساتھ ساتھ پاکستان کے لئے تحریک اٹھی اور مملکت خداداد وجود میں آ گئی اب اس کے استحکام کا مرحلہ ہے اور دشمنوں کے نرغے میں پھنسے ہونے کے باوجود پاکستان کو ایک نظریاتی ملک بنانے کی جدوجہد ضروری ہے۔

دعوت رجوع الی القرآن کا ایک عوامی تحریک بننے کا انتظار کئے بغیر پاکستان کے باسی ہر مسلمان کو ملک کے استحکام کے لئے والہانہ انداز میں آگے بڑھنا ہوگا تاکہ موجودہ حالات کے شکنجے سے نکلا جا سکے۔

اس خوفناک صورت حال سے نکلنے کے لئے (کہ پہلے ہم برطانیہ کے غلام تھے اور اب ''امریکی صلیبی جنگ'' کا شکار ہیں اور غلام ہیں) ہمیں پاکستان کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا ہوگا اور پاکستان کو علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے خوابوں اور ارمانوں کے مطابق ایک جدید'' اسلامی جمہوری فلاحی ریاست'' کا رول ماڈل (ROLE MODEL) بنانا ہوگا اس کے لئے پاکستان کے ہر شہری کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا بالخصوص مسلمانانِ پاکستان اور سب سے بڑھ کر وہ دینی اور مذہبی طبقات جنہوں نے پاکستان کی تخلیق میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اور سیاسی سطح پر مسلم لیگ (تمام مسلم لیگیں) اس ذمہ داری کے ادا کرنے کی مکلّف ہے اور قوم کا

اس کے ذمے یہ بہت بڑا ''قرض'' بھی ہے کہ اس جماعت کے نام پر آج کے مسلم لیگیوں نے خود بھی اور ان کے آباء و اجداد نے بھی بالعموم بے تحاشا دولت لوٹی ہے اور عیش کئے ہیں لہٰذا ـــــــــ پاکستان کی تعمیر نو کے لئے بھی اسی طبقہ کو سب سے زیادہ مالی قربانی بھی دینی چاہیے اور عملاً عوامی بیداری کا کام بھی کرنا چاہیے۔

گذشتہ شمارے میں یہ تذکرہ بھی آ گیا تھا کہ وہ طبقات جو پاکستان بنانے میں نمایاں تھے ان کے وابستگان کو ازسرنو بیدار کرنا ہوگا اور پاکستان کو نظریہ پاکستان کی مستحکم بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لئے سخت محنت و مشقت کرنا ہوگی۔ تا کہ عوامی بیداری کی ایک لہر پیدا ہو جائے اور ملکی اور اجتماعی سطح پر نظریہ پاکستان اور اپنے وطن عزیز کو ایک اسلامی جمہوری فلاحی ریاست بنانے کا عزم پیدا ہو جائے اس مرحلے کے طے ہونے پر ہی اگلا مرحلہ سامنے آئے گا۔

اتحاد امت کے لئے کرنے کا ـــــــ دوسرا کام

نظری طور پر مسلمانان پاکستان کے لئے مستقبل قریب میں تین ممکنہ صورتیں ہیں۔ (یہ امکانات صرف اس مفروضے پر ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کی بیداری کے لئے کمر کس لی ہے اور بے لوث کام کرنے کے لئے آمادہ ہیں اور اجتماعی سطح پر مسلمانوں کا سوادِ اعظم اس کام کی برکات و اہمیت سے واقف ہو گیا ہے۔ بصورت دیگر ـــــــــ کہ اہالیان پاکستان خود اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوتے تو ـــــــــ غلامی اور گمنامی ہی مقدر ہو سکتی ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا ـــ حالؔی

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عذاب الٰہی کا تازیانہ ہمارے سروں پر معلّق ہے کہ نبی آخرالزماں ﷺ کی امت ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے روگردانی؟)۔

☆ پہلی یہ صورت ممکن ہے اور مسلمانان پاکستان کے لئے نہایت خوش آئند کہ کوئی سیاسی جماعت (امکانی حد تک مسلم لیگ) بھولے ہوئے مشن کو اپنا مشن بنائے، قوم میں بیداری کی لہر پیدا ہو ـــــــ اور مذہبی مناقشات اور فرقہ واریت میں پڑے بغیر 1946ء کے الیکشن

کی طرح بھر پور کامیابی حاصل کرے اور عوامی جذبے اور جوش کے زیر اثر ملک میں اسلامی نظام یا نظام مصطفےٰ ﷺ کا نفاذ عمل میں لے آئے۔

حالات کے اس رخ پر آگے بڑھنے سے فرقہ واریت میں کمی واقع ہوگی، دل قریب آئیں گے، محبت والفت بڑھے گی، حقیقی اجتماعی یگانگت پیدا ہوگی اور بہت جلد اسلام کے اجتماعی نظام ـــــــــ خلافت کے نظام کی برکات سے اہالیان پاکستان بلالحاظ مذہب وملت، مسلم وغیر مسلم سب مستفیض ہورہے ہوں گے۔

نظری طور پر یہ امکان بڑا خوش کن اور دل کش ہے تاہم حالات کے تناظر میں ایسا ہونا ''شاذ'' کے درجے میں ہی ہے۔

☆ دوسری ممکنہ صورت یہ ہے کہ ہمارے ہاں مذہبی تقسیم میں سواد اعظم یا مسلمانوں کا بڑا حصہ بریلوی مکتب فکر کہلاتا ہے۔ پھر دیوبندی مکتب فکر ہے اور پھر اہل حدیث مکتب فکر۔ اگر پاکستان میں تمام قابل ذکر طبقات میں دینی شعور بیدار کردیا جائے، پاکستان کو ایک جدید' اسلامی جمہوری فلاحی' مملکت بنانے کا عزم اجاگر ہو جائے اور ماضی سے وابستگی کی وجہ سے عوامی سطح پر بریلوی مکتب فکر کے علماء و پیران عظام اپنے اکابرین کے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر کام کر کے پاکستان کے بنانے میں اپنے رول کا احساس پیدا کرلیں تو ـــــــــ آج کے جمہوری دور میں، جہاں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے، سواد اعظم ہونے کی بنیاد پر اپنے بل بوتے پر ''اکثریت'' حاصل کر کے ملک میں نظام مصطفےٰ ﷺ کے نفاذ کی راہ ہموار کر سکتے ہیں۔

اس امکان، کے لئے خارج میں مواقع بہت کم ہیں اور سوادِ اعظم کے خواص وعوام عموماً ''اکثریت'' کے زعم میں کام نہیں کرتے جبکہ ہمیشہ ''اقلیت'' میں لوگ اپنے لئے عدم تحفظ کے خدشے کے تحت سخت محنت کر کے آگے بڑھتے ہیں اور چھا جاتے ہیں۔

یہ ممکنہ صورت حال بھی ملکی سطح پر بڑی خوشگوار تبدیلی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے تاہم اس راستے میں بڑی جانفشانی اور سخت محنت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ توفیق ارزاں فرمائے۔(آمین)۔

☆ تیسری ممکنہ صورت یہ ہے کہ نہ سیاسی سطح پر مسلمانوں کی بیداری کا کام ہو سکے نہ نظریاتی

سطح پر کہ ـــــــــ مملکت پاکستان کے ماضی، حال اور مستقبل کی اہمیت کو اجاگر کر کے ایک تبدیلی برپا کر دی جائے ـــــــــ اور نہ خالص مذہبی سطح پر عوام کو اللہ تعالیٰ پر ایمان، حضرت محمد ﷺ سے عشق و محبت اور پاکستان کے لئے قربانیوں کے حوالے سے جوش دلا کر ـــــــــ عوامی تحریک کا رنگ دیا جا سکے کہ ملک پاکستان میں نظام مصطفےٰ ﷺ کے نفاذ کے ضمن میں کوئی BREAK THROUGH ہو جائے اور سیاسی انتشار اور عہدوں کے لالچ کی رسہ کشی کے بغیر ایک ہی مکتب فکر کے لوگ اقتدار سنبھال کر اپنی ایمانی و مذہبی کیفیات کے تحت عشق رسول ﷺ کے جذبے سے سرشار اسلامی تعلیمات کے نفاذ سے نظام خلافت کی برکات اور کفالت عامہ کا عملی نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں۔ یعنی پہلی صورت بھی ممکن نہ ہو اور دوسری صورت بھی روبعمل ہوتی نظر نہ آئے ـــــــــ یعنی اس ملک میں ستر سال پہلے کی قیامِ پاکستان کے دور کی مذہبی فضا اور جوش و جذبہ پیدا نہ کیا جا سکے اور کسی ایک سیاسی جماعت یا کسی ایک مذہبی مسلک کے ذریعے دنیا کے معروف پیمانوں میں جمہوری انداز میں پارلیمنٹ کے ذریعے اور ووٹ کے ذریعے تبدیلی نہ لائی جا سکے ـــــــــ تو ان حالات میں امکانی حد تک ممکنہ صورت (اور جس کے لئے اس وقت فضا قدرے سازگار بھی ہے) ملک کے تمام مذہبی طبقات کا ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو کر آئندہ کی جدوجہد کرنا ہے۔

پاکستان کی ساٹھ سالہ تاریخ میں مذہبی اور سیاسی اتحادوں کی اپنی ایک تاریخ ہے اور اتحادوں کا بننا حکومتوں کو گرانا اور پھر منتشر ہو جانا اہل نظر کے بھی سامنے ہے اور عوام کے اجتماعی شعور کا بھی حصہ ہے کہ ان اتحادوں کے ذریعے منفی کام تو کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے کہ کسی حکومت کے خلاف کھڑے ہو گئے اس کو گرانے تک متحد رہے مگر جیسے ہی حکومت رخصت ہوئی یا کسی ''آمر'' کے سامنے ڈٹے رہے حتیٰ کہ آمریت سے جمہوریت کا سفر شروع ہوا انتخابات کا اعلان ہوا ـــــــــ تو الیکشن کی سیاست (ممبری، کرسی، صدارت) کے موقع پر اتحاد برقرار نہ رہ سکے۔ یعنی جب مثبت کام کرنے کا موقع آیا تو ـــــــــ مل کر کام کرنے کا جذبہ مفقود ہو گیا اور مسلکی اور جماعتی مفادات آڑے آ گئے۔

اس تجزیہ کے مطابق مختلف مذہبی جماعتوں کا اکٹھے ہو کر کام کرنا اور اتحاد کی شکل اختیار کرنا تو بحالات موجودہ ناگزیر ہے اور اوپر درج شدہ پہلی دونوں صورتوں کے لئے قابل لحاظ حد تک کام نہ ہونے کی وجہ سے یہی ''اتحاد'' ہی واحد ممکنہ صورت ہے تاہم ہمارے نزدیک کسی مزید ''اتحاد'' کے ''بندھن'' میں بندھنے سے پہلے ہمیں ٹھنڈے دل سے یہ غور وخوص کر لینا چاہیے اور اس سے سبق بھی سیکھنا چاہئے کہ سابقہ اتحادوں کے ناکام رہ جانے کی وجوہات کیا ہیں؟ اور آئندہ ان وجوہات کو ختم یا کم کیسے کیا جاسکتا ہے۔

ہمارے نزدیک ماضی کے مذہبی اتحادوں کے بننے اور ٹوٹنے کے عمل میں بنیادی عوامل مذہبی و مسلکی خدشات ہیں جو ہر مسلک کے نمائندوں کو لاحق رہتے ہیں۔ یہ بات اب سب پر عیاں ہے اور نوشتہ دیوار ہونے کے ناطے سے بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ ہمارے ملک پاکستان کی مذہبی سیاسی قیادتیں فقہی مسالک کی بنیاد پر قائم ہیں اور ان کی جڑیں اپنے مسلک کے پیروکار حضرات میں ہی بڑی مضبوطی سے قائم ہیں لہٰذا________ یہ قیادتیں اہم فیصلے کرتے وقت بالعموم اللہ تعالیٰ کے فرامین اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات کی کوئی نہ کوئی تادیل کر کے اپنے لئے کوئی محفوظ راستہ نکال لیتے ہیں اور اپنے ہم مسلک لوگوں کے سامنے منہ دکھانے کے قابل بھی رہتے ہیں اور ''اتحاد'' سے باعزت علیحدگی بھی ہو جاتی ہے۔ اوپر درج الفاظ میں شاید ذرا تلخی ہو تاہم حقیقت اس سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔

اتحادوں کی تاریخ میں آمرانہ حکومتوں کے گرانے کا کام مذہبی اور مسلکی بنیاد پر مشترکہ خدشات کی وجہ سے ممکن ہو جاتا ہے اور قابل فہم ہے تاہم مثبت سوچ کی کمی اور اسلام کے اجتماعی عدل اور کفالت عامہ کے نظام اور خلافت کی برکات پر کماحقہ نظر نہ ہونے کی وجہ سے اس اتحاد کے نتیجے میں برکات کے سمیٹتے وقت ''اغراض'' اور ''مفادات'' آڑے آجاتے ہیں اور اتحاد برقرار نہیں رہ سکتے۔

ہمارے نزدیک اب اگر کوئی اتحاد بنانا مقصود ہو (اور یہ آئندہ الیکشن کے موقع پر ناگزیر ہوگا) تو اس اتحاد کے اعلان سے پہلے بہت سا بنیادی کام (HOME WORK) کرنے کی اشد ضرورت ہے اور اتحاد میں شریک مختلف مذہبی عناصر کے خدشات کو اتحاد بنانے کے لئے اعلان سے پہلے ہی دور کرنے یا ان کا کوئی قابل عمل اور قابل قبول حل پر اتفاق رائے پیدا کرنے کی

ضرورت ہے۔ یہ کام بظاہر معمولی اور حقیر سا نظر آئے گا۔ تاہم اپنے نتائج کے اعتبار سے بہت اہم اور دیرپا اثرات کا حامل ہوگا۔

مذہبی جماعتوں کے اسلام کے نفاذ یا نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ یا پاکستان کو اسلامی جمہوری فلاحی ریاست بنانے کے اعلیٰ وارفع مقصد کے لئے اجتماعی کوششوں کو منظّم کرنے کیلئے اہل سنت کے جو معروف مسالک سامنے آئیں گے وہ ہمارے فقہی مسالک ہیں جو سب کو معلوم ہیں ۔

1۔ بریلوی مکتب فکر 2۔ دیوبندی 3۔ اہل حدیث مکتب فکر 4۔ جماعت اسلامی۔

ان مسالک کو ایک اتحاد میں جوڑنے یا اتحاد و یگانگت کے رشتہ میں حقیقی طور پر پرونے کے لئے جس بنیادی کام (HOME WORK) کا ہم نے تذکرہ کیا ہے وہ بہت ضروری ہے اور ہمارے نزدیک حسب ذیل ہے۔

☆ اوپر درج شدہ ہمارے مسالک کے زعماء اور اکابرین جب جمع ہوتے ہیں تو مقاصد کے اشتراک اور اہداف کی ہم آہنگی کے باوصف اپنے دل میں بہت سے خدشات اور ناراضگیاں دبائے اور چھپائے رکھتے ہیں اور حقیقتاً کسی بڑے اجتماعی کام کے لئے ذاتی اور مسلکی اغراض کو چاہے وقتی طور پر ہی سہی دبالینا یا اہمیت نہ دینا ———— دینی نقطہ سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بہت بڑی قربانی ہے اور اجر و ثواب کا موجب ہے۔ تاہم یہ خدشات اگر ایک دفعہ سامنے لائے جا سکیں اور کسی عملی کام کے آغاز سے قبل ان باہمی خدشات اور ممکنہ باہمی استحصال کی صورتوں کو سامنے رکھ کر ان کا کوئی حل نکالا جا سکے۔ جس سے تمام مسالک کے اکابرین اور تبعاً ان کے پیروکاروں کے دل مطمئن ہو جائیں تو راقم کو یقین ہے کہ اس صورت میں قائم ہونے والا اتحاد برقرار بھی رہے گا۔ ———— ناسازگار و مخالف حالات کے دباؤ اور آزمائشوں کے ہر مرحلہ پر ثابت قدمی دکھائے اور مخالفین کی چالوں اور حملوں کے ہر امتحان میں سرخرو ہو سکے گا اور اپنے مقصد وجود و قیام کو حاصل کر کے دم لے گا۔ ان شاءاللہ

ذیل کی سطور میں ہم نمونے کے طور پر مختلف مسالک کے خدشات و تحفظات کو درج کر

رہے ہیں تا کہ بات کو سمجھنے میں آسانی ہو اور زیر بحث معاملے کی اہمیت واضح ہو کر سامنے آ جائے

مثال کے طور پر بریلوی مکتب فکر کے زعماء، اکابرین (اوران کے پیروکاروں) کو یہ خدشات لاحق ہو سکتے ہیں کہ اگر ــــــــــــ اتحاد کی صورت میں جدوجہد کر کے بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث اور جماعت اسلامی حکومت بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو (سیاسی سطح پر سیٹوں کی تقسیم اور وزارتوں کی تقسیم کو الگ رکھتے ہوئے) مسلکی سطح پر ان کے مسلکی معاملات کے بارے میں کیا طرز عمل ہوگا۔ یعنی

☆ بریلوی مسلک کے 12 ربیع الاوّل کے جلوسوں کے بارے میں اس متوقع اسلامی حکومت کا فیصلہ کیا ہوگا۔

☆ گیارہویں کے انعقاد اور اس کے جلوسوں کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا جائے گا۔

☆ بریلوی مسلک کے اکابرین اور اولیاء کے مزارات اور ان پر منعقد ہونے والے میلوں، عرسوں کے بارے میں متوقع اسلامی حکومت کیا فیصلہ کرے گی۔

☆ مسلکی مساجد اور ان کے اہتمام کے بارے میں نیز ریڈیو، ٹی وی وغیرہ پر ربیع الاوّل اور دوسرے مشہور دنوں پر ان کے پروگراموں کی ترویج کا ضابطہ کیا ہوگا۔

☆ سرکاری سطح پر اکثریت کا مسلک اور شعائر رواج دیا جائے گا یا اقلیت کی سوچ کو جبراً نافذ کر دیا جائے گا۔

اسی طرح ہمارے اہل حدیث بھائیوں کو بجا طور پر یہ خدشہ ہو سکتا ہے کہ اگر بریلوی مسلک اور نقطہ نظر غالب آ جائے تو ان کے مسلک اور مکتب فکر کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔

☆ اہل حدیث مسلک کے اکابرین میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کا بہت اعلیٰ مقام ہے اور سید اسماعیل شہید اور ان کی تصانیف بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ اور ان کی ترویج پر زور دیا جاتا ہے جبکہ بریلوی نقطہ نظر سے تقویت الایمان نامی کتاب سے ان کے عقائد کی جڑ کٹتی ہے ہے وہ اسے تقویت الایمان کی بجائے تفویۃ الایمان کہتے ہیں۔ لہٰذا ــــــــــــ مشترکہ جدوجہد کے دوران اور اس کی کامیابی کے بعد ان کے باہمی روابط و تعلقات (WORKING

(RELATION SHIP) کیا ہوں گے۔

☆ مزید برآں عرب سے اٹھنے والے مصلح اور قائد محمد بن عبدالوہاب (وفات 1793ء) اہل حدیث مسلک کے دور حاضر میں امام ہیں جبکہ عوامی سطح پر کسی کو وہابی کہہ دینا شاید کافر و قادیانی کہنے سے زیادہ گہرے اثرات رکھتا ہے۔

اسی سے ملتے جلتے خدشات ہمارے دیوبندی مسلک کے علماء واکابرین کو لاحق ہو سکتے ہیں بلکہ ہیں۔ان خدشات کی موجودگی میں جب اتحاد بنتا ہے تو ہم کسی مشترکہ اجلاس میں سروں کو گن کر خوش ہو سکتے ہیں کہ اتنے لوگ مختلف مسالک کے جمع ہیں درحقیقت دلوں کے درمیان الفت ومحبت اور باہمی یگانگت مفقود ہوتی ہے۔حالانکہ کسی مشترکہ اجتماعی جدوجہد کے لئے مختلف اکائیوں کے افراد میں باہمی الفت ومحبت کا ہونا کامیابی کی سب سے بڑی اور اوّلین شرط ہے۔

فَلِهٰذَا ــــــــــــ ہمارے نزدیک مستقبل قریب کے کسی مذہبی ومسلکی اتحاد سے پہلے یہ بنیادی کام (HOME WORK) کرنا ضروری ہے اور یہ کام کوئی ناممکن اور لاینحل مرحلہ ومسئلہ نہیں ہے صرف خلوص سے توجہ دینے کی بات ہے دونوں طرف کے اکابر علماء وخواص سے ہمیں غالب حسن ظن ہے کہ وہ اس مرحلہ کو کامیابی سے حل کرلیں گے۔اس مشکل اور فیصلہ کن مرحلہ کے قابل عمل اور قابل قبول حل کے بعد اہل سنت کے تمام مسالک کا ایک جگہ اکٹھے ہونا ــــــــــــ ایک ضروری ہی نہیں فطری تقاضا ہوگا اور اس سے ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی رضا حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو جوڑ دے گا جیسے کہ قرآن مجید میں جنگ بدر کے موقع پر مسلمانوں کے ایثار وقربانی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ (الانفال ـ63)

''اور اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی''۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت ہمارے ساتھ ہوگی اور مشترکہ جدوجہد یقیناً

کامیابی سے ہو کر رہے گی۔

اہل سنت کے تمام مسالک کے ایک لڑی میں پروئے جانے یا اس اتحاد کے بعد ایک مرحلہ ملّی وملکی یکجہتی کے لئے اور سامنے ہوگا امید ہے کہ خلوص واخلاص اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے ''وفاداری'' اور صلح وخیرخواہی کے جذبے کی موجودگی میں اس مرحلے میں مسلمانان پاکستان کامیاب ہوں گے ــــــــــــــ وہ مرحلہ ہے اہل سنت کا وسیع تر ملی یکجہتی کے لئے شیعہ مسلک کے اکابر وخواص وعوام کو ساتھ ملا لینا ہمارے نزدیک یہ مرحلہ بہت نازک سہی تاہم جذبہ صادق ہوتو اس کو سر کرنا کوئی مشکل نہیں۔اس کے لئے ایک آسانی تو یہ ہے ہمارے مغرب میں پڑوسی برادر اسلامی ملک ایران میں یہ مسئلہ بڑی خوش اسلوبی سے حل کرلیا گیا ہے اور وہاں اس پر گذشتہ ربع صدی سے عمل بھی ہورہا ہے کہ وہاں اکثریت شیعہ مسلک کے پیروکاروں کی ہے اور اہل سنت وہاں اقلیت میں ہیں۔اب پاکستان میں اہل سنت اکثریت میں ہیں اور شیعہ مسلک کے پیروکاروں کی تعداد ایران میں اہلسنت سے بھی کم ہے لہٰذا اگر ایران کے آئین میں جو مقام اہل سنت کو دیا گیا ہے وہی مقام (STATUS) پاکستان میں شیعہ مسلک کے لوگوں کو دے دیا جائے تو ہمارے شیعہ بھائیوں کو بخوشی اور کھلے دل سے قبول کر کے اہل سنت کے شانہ بہ شانہ ماضی کی طرح پاکستان کو ایک اسلامی جمہوری فلاحی ریاست بنانے کے کام میں ہر طرح کا تعاون کرنا چاہئے۔

مستقبل میں بننے والے مجوزہ اتحاد سے پہلے اگر یہ بنیادی کام احسن وبخوبی سرانجام دے دیا جائے اور دائرہ تحریر میں لاکر محفوظ کردیا جائے تو سیاسی سطح پر الیکشن کے راستے پر محنت ہو تب بھی اور انقلابی راستے پر مزاحمتی قوت اور مطالبات کے راستے پر آگے بڑھیں تب بھی اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں میں برکت دے گا تائید ونصرت فرمائے گا اور منزل قریب سے قریب تر ہوتی چلی جائے گی۔

چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

وما ذالك على الله بعزيز

قربِ الٰہی کے دومراتب

انجینئر مختار فاروقی

یہ خطاب حلقہ پنجاب غربی کے رفقاء کے اجتماع 16۔اگست 2009ء بروز اتوار قرآن اکیڈمی فیصل آباد میں ہوا تھا جسے ریکارڈ کرلیا گیا تھا۔اب آڈیوٹیپ سے نقل کر کے معمولی کمی بیشی کے بعد افادۂ عام کے لئے حکمت بالغہ کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔(ادارہ)

الحمد لله نحمده ونستعينه و نستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه اما بعد فقال الله تبارك و تعالىٰ:

وَمَارَمَيۡتَ اِذۡ رَمَيۡتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (8-17)

صدق الله عظيم

رَبِّ اشۡرَحۡ لِىۡ صَدۡرِىۡ وَيَسِّرۡلِىۡ اَمۡرِىۡ وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِىۡ يَفۡقَهُوۡا قَوۡلِىۡ

حضرات اس وقت ہماری گفتگو کا عنوان ہے ''قربِ الٰہی کے دومراتب''۔ ہمارے دین میں، آپ سب کے علم میں ہے کہ ایمان کا پہلا حصۂ ایمان باللہ ہے اور دوسرا ایمان بالآخرت اور تیسرا ایمان بالرسالت۔ایمان باللہ میں ہم ایک ایسی ہستی کو مانتے ہیں جسے ہم 'اللہ' ﷻ کے لفظ سے پکارتے ہیں۔قرآن مجید میں اسے رحمٰن کہہ کر بھی پکارا گیا ہے اس کے اور بھی اسمائے گرامی ہیں جو کہ قرآن مجید میں آئے ہیں۔سورۃ بنی اسرائیل میں یہ بھی فرمایا گیا کہ اُسے رحمٰن کہہ کے پکارو یا کسی اور نام سے پکارو سارے اچھے نام اُسی کے ہیں اور وہ ہستی ایک ہی ہے۔اللہ تعالیٰ کی

ہستی ایک ایسی ہستی ہے کہ جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے اور اکیلے تن تنہا پیدا کر کے تن تنہا اس کو چلا بھی رہا ہے۔ اُس کی کچھ خاص صفات ہیں اُس کو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ آتی ہے نہ تھکتا ہے نہ گھبراتا ہے نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ بیمار ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۔ یہ اُس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات ہیں۔ ہم ایک ایسی ہستی کو مانتے ہیں کہ جو نظر نہیں آتی' شاید عام بچوں کے اور کچھ نوجوانوں کے ذہن میں ہوگا کہ ابھی تو چھوٹے ہیں جب آدمی بڑا ہو جاتا ہے یا حج کو چلا جاتا ہے تو اللہ نظر آجاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ انسان کتنا ہی بڑا ہو جائے حتیٰ کہ پیغمبروں کا بھی قرآن پاک میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ تقاضا کر دیا کہ اے اللہ آپ پردے کے پیچھے سے بات چیت کرتے ہیں ایک دفعہ سامنے آجائیں تو دیدار بھی ہو جائے۔ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام جو ایک جلیل القدر پیغمبر ہیں انہیں بھی فرما دیا کہ آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اس دنیا میں کسی نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو نہیں دیکھا نہ آئندہ دیکھے گا پیغمبروں نے بھی نہیں دیکھا۔ اس اللہ کا دیدار اگر ممکن ہے وہ تو آخرت میں ہے جنت میں ہے۔ ہاں! اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ایک قرب ہے جو حاصل کیا جا سکتا ہے' اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قریب ہوا جا سکتا ہے' اس اللہ کو دیکھا نہیں جا سکتا۔

دوسری ہستی جس کو ہم مانتے ہیں ہمارے ایمان کا حصہ ہے وہ ہے ''محمد رسول اللہ ﷺ'' ان کو ہم پیغمبر مانتے ہیں انہیں اللہ کی طرف سے ہدایات ملیں اللہ جیسے چاہتے ہیں کہ اس کی مخلوق انسان زندگی گزاریں وہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی براہ راست خود بات کر کے کسی عام انسان کو نہیں بتاتا، اللہ تعالیٰ آ کر ہر آدمی سے بات نہیں کرتا کہ بھئی یہ تم کیا کر رہے ہو زندگی ایسے گزارنی چاہیے۔ کئی لوگوں کے دل میں خیال ہو سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ خود خواب میں مجھے حکم دے دیں تو میری مجال نہیں کہ میں اس کا حکم نہ مانوں۔ یا کسی کے دل میں ہو سکتا ہے کہ محمد ﷺ خواب میں مجھے مل جائیں اور مجھے کوئی حکم دیں۔ خوابوں کی بڑی اہمیت ہے ہمارے ہاں۔ تو آدمی سوچتا ہے کہ مجال نہیں میری کہ میں اُس خواب کی خلاف ورزی کر سکوں۔ لیکن آپ یقین کریں کہ اللہ کبھی عام آدمی سے بات نہیں کرتا اور پیغمبر ﷺ کا بھی کسی کے خواب آجانا اس کی کوئی گارنٹی نہیں دی جا سکتی۔ خواہش کی جا سکتی ہے لیکن اُس کی گارنٹی نہیں دی جا سکتی ہے۔ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جو ہمیں نظر نہیں آتا اس کا حکم جاننے کے لئے اس نے پیغمبروں کو بھیجا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیں اللہ کیسے چاہتا ہے کہ

میرے بندے زندگی گزاریں کن چیزوں سے بچیں کن چیزوں کو اختیار کریں۔ اللہ نے خود ہم سے بات نہیں کی بلکہ اللہ نے اپنے برگزیدہ پیغمبروں کو چنا ان کے ذریعے سے وہ پیغام ہم تک پہنچایا۔

وہ ہستیاں جنہیں چنا گیا وہ پیغمبر کہلاتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام اُن میں سے پہلے تھے اور محمد رسول اللہ ﷺ اُن میں سے آخری ہیں۔ ہم حضرت محمد ﷺ کے اُمتی ہیں اُن کے ماننے والے ہیں اُن پر ہمارا ایمان ہے۔ وہ MASSEGE جو اللہ نے دیا کہ جا کر میرے بندوں کو بتا دیا جائے کہ اللہ یہ چاہتے ہیں کہ زندگی ایسے گزاری جائے وہ MASSEGE چار ہزار سال پہلے زبانی تھا پھر جیسے انسان نے ترقی کی تو وہ تحریری ہو گیا، انسان نے لکھنا پڑھنا سیکھا ہے تو اللہ نے تحریری وحی، لکھی ہوئی، صحیفے "زُبُر" اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیے۔ پھر انسان نے کتابیں بنانا شروع کیں تو اللہ نے کتابیں عطا فرما دیں، تورات ایک کتاب تھی انجیل ایک کتاب تھی زبور ایک کتاب تھی۔ پھر اللہ نے قرآن پاک عطا فرما دیا تو اُس اللہ تعالیٰ کا پیغام ہمارے پاس موجود ہے کہ ہمارا خالق ہمارا مالک کیا چاہتا ہے ہم انسانوں سے کیا توقع کرتا ہے کہ ہم کیسے زندگی گزاریں؟۔

جن پیغمبروں کے ذریعے سے وہ پیغام ہم تک آیا ہے وہ بھی بہت برگزیدہ ہستیاں تھیں اُن میں سے محمد رسول اللہ ﷺ آخری پیغمبر بھی تھے اور تمام پیغمبروں کے سردار بھی اس میں کوئی شک نہیں۔ اُن کو جو اللہ تعالیٰ نے پیغام دیا جو وحی عطا فرمائی جو کتاب عطا فرمائی وہ بھی سب کتابوں سے بہت ہی اعلیٰ کتاب ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا "کتابٌ عزیز" ایک نادر کتاب ہے اس جیسی ہدایت کی کتاب ملنا تاریخ انسانی میں ہی نہیں ہے تو اور کہاں سے آ جائے گی۔ اس اللہ کو راضی کرنا اُس اللہ تعالیٰ کا کہنا ماننا یہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعے سے ہمیں سکھایا ہے۔ اور یہ بات شاید آپ سوچ رہے ہوں کہ یہ تو سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے؟ درحقیقت یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، دنیا میں ایسے ہی ہوتا ہے آج کل ہمارے ملک میں امریکہ کے ساتھ جو تعلقات حکومتی سطح پر چل رہے ہیں گو سب لوگوں کو اس سے اختلاف ہے کہ ہمارے حکمران امریکہ کے سامنے بچھ جاتے ہیں اور اس کا کہنا مانتے ہیں امریکہ کے صدر کو اگر پاکستان کی عوام کو کوئی پیغام پہنچانا ہو تو کیا وہ ہر آدمی سے بات کرے گا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کوئی آدمی کہے کہ جی مجھ سے تو بات ہی نہیں کی میں کیسے مان جاؤں۔ نہیں! وہ تو ہمارے ملک کے صدر سے جو HOT LINE ہوتی ہے اُس

کے ذریعے سے بات کرتے ہیں اور شاید جواب کا انتظار بھی نہیں کرتے اور اس سے پہلے ہی فون رکھ دیتے ہیں کہ بس پیغام پہنچ گیا۔ اب باقی سب لوگوں تک وہ پیغام پہنچانا پاکستان کے سولہ کروڑ عوام تک وہ اُس صدر کی ذمہ داری ہے۔ یہ طریق کار فطرت انسانی کے عین قریب ہے۔ بعینہٖ اللہ تعالیٰ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا کہ اپنی وحی کو RECEIVE کرنے کے لئے اللہ کا پیغام RECEIVE کرنے کے لئے اُس کو سمجھنے کے لئے اس کی باریکیاں سمجھنے کے لئے اللہ نے بہت باصلاحیت لوگ چنے بنائے وہ پیغمبر علیہم السلام کہلاتے ہیں اُن کو اپنا MESSAGE دیا۔

وہ مخلوق ہونے کے اعتبار سے ہم انسانوں کے زیادہ قریب ہیں اور اعلیٰ صلاحیتیں اور بات کو سمجھ لینا اور اشارے سے بات کو سمجھ جانا اس کے لحاظ سے ہم عام انسانوں کے مقابلے میں وہ اللہ کے بہت زیادہ قریب تھے اُن کے ذریعے اپنا پیغام اللہ ﷻ نے ہم تک پہنچایا ہے وہ قرآن کی شکل میں موجود ہے اور اس قرآن کی جو تشریح محمد رسول اللہ ﷺ نے کی ہے وہ سنت اور احادیث اور آپ ﷺ کی سیرت کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ محمد ﷺ اور اُن کے علاوہ دوسرے جتنے بھی پیغمبر تھے وہ پیغمبر ہونے کے ناطے اللہ کے بہت زیادہ قریب تھے پیغمبروں میں بھی درجے ہیں سب پیغمبر ایک جیسے نہیں ہیں تیسرے پارے کے شروع میں فرمایا گیا (تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ) یہ رسولوں کی جماعت ہے ان میں سے بھی بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے۔ پیغمبر بھی سب ایک مرتبے کے نہیں ہیں اُن میں بھی درجہ بندی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ یقیناً تمام پیغمبروں میں سب سے اوپر ہیں سردار ہیں سرتاج ہیں سب سے افضل ہیں۔ اللہ نے محمد ﷺ کو جو طریقہ بتایا جو کتاب عطا کی اس پر جو رسول اللہ ﷺ نے عمل کر کے دکھایا وہ بھی ہمارے سامنے موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو اپنی عملی زندگی گزاری اس میں اللہ ﷻ کے قریب ترین انسان ہونے کا جو بھی امکانی حد تک ایک مظہر ہو سکتا تھا وہ اپنی عملی زندگی میں ہمارے سامنے رکھ دیا۔ آج اگر ہم سوچیں کہ مخلوق میں سے کوئی انسان جو اللہ ﷻ کے سب سے زیادہ قریب ہو سکتا ہے اس کا اُسوہ ہمیں مل جائے اُس کا طریقہ ہمیں مل جائے اس کے نقوشِ پا ہمیں مل جائیں تو ہم اُن پر عمل کریں تو بڑا آسان ہوگا کہ اس طرح ہم اللہ ﷻ کے قریب ہو جائیں، تو وہ اللہ ﷻ نے مہیا کر دیا ہے ہمارے پاس موجود ہے وہ ہے سیرت النبی ﷺ، سنت رسول ﷺ اور فرامین رسول

اللہ ﷺ؛ جو احادیث کہلاتی ہیں۔ ان تینوں کا مجموعہ وہ ہے کہ ایک ایسا شخص ہے جو اپنے خالق اور مالک کے سب سے زیادہ قریب تھا۔ حدیث میں الفاظ ہیں کہ قیامت کے دن جب حساب کتاب ہورہا ہوگا تو اللہ کے سب سے قریب جگہ جو ہوگی جہاں اللہ کا سب سے مقرب بندہ کھڑا ہوگا وہ ''مقامِ محمود'' ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا اللہ سے توقع ہے کہ شاید وہ میں ہی ہوں گا۔ لیکن پھر بھی حضور ﷺ نے ہمیں کیا دُعا سکھائی ہے اذان کے بعد کی دُعا یہی ہے کہ پھر بھی تم دعا کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے اُس مقامِ محمود تک پہنچا دے۔ مقام محمود ایک ایسی جگہ ہے جہاں انسانوں میں سے کوئی ایک خوش نصیب انسان پہنچے گا اور وہ اللہ کے قریب ترین مقام ہے جو سوچا جا سکتا ہے جس کا امکان موجود ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اُن کا اُسوہ ہمارے سامنے ہے۔ اب کوئی آدمی وہ اُسوہ نہ پڑھے اُس سے صرفِ نظر کرلے اس سے آنکھیں بند کرلے اُس سے آنکھیں چرالے اور پھر ڈھونڈتا پھرے کہ کوئی طریقہ بتایا جائے کہ اللہ کے کیسے قریب ہوا جائے اور اللہ کو کیسے راضی کیا جائے تو پھر یہ اس کی کوتاہ نظری اور کج فہمی ہے۔ اللہ نے تو وہ چیز ہمیں فراہم کردی ہے ہمارے درمیان میسر ہے اور ہمارے لئے قابل عمل بھی ہے اور اُس کے دیگر نمونے بھی ہمارے سامنے ہیں؛ محمد رسول اللہ ﷺ تو پیغمبر تھے اور کہا جا سکتا ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے انہیں PROTECTION حاصل تھی، خصوصی ہدایات تھیں اللہ تعالیٰ انہیں مختلف مواقع پر بچاتا رہتا تھا لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو دیکھ کر کئی ہزار انسان ایسے پیدا ہوئے جنہوں نے اُن کی زندگی کو قریب سے دیکھا اور اُس پر عمل کرکے دکھا دیا وہ صحابہ کرام ؓ کی جماعت ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَھُمۡ تَرٰھُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا سِیۡمَاھُمۡ فِیۡ وُجُوۡھِھِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمۡ فِی التَّوۡرٰۃِ وَ مَثَلُھُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ

''محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔ (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کررہے ہیں، (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں ان کے یہی

اوصاف تورات میں ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں‘‘

نبی پاکﷺ کے جو تیار کردہ نمونے تھے وہ ہمارے لئے بنائے گئے اُن کو تراشا گیا ان کو سنوارا گیا ہر طریقے پر اُن کا MAKE UP کیا گیا کہ قیامت تک کے انسانوں کے لئے اور مختلف مزاج کے لوگوں کے لئے وہ نمونے بن جائیں۔ کوئی کاروباری ہے کوئی معلّم ہے کوئی کھیتی باڑی کرتا ہے کوئی محنت کش ہے ہر ایک کے لئے نمونہ صحابہ کرامؓ کی زندگی میں موجود ہے۔

حتیٰ کہ رسول اللہﷺ مجموعی طور پر تمام انسانوں کے لئے نمونہ تھے مردوں کے لئے بھی نمونہ تھے اور خواتین کے لئے بھی نمونہ تھے۔ لیکن عملی طور پر خواتین کے لئے محمد رسول اللہﷺ نمونہ نہیں تھے حضور نے کبھی برقعہ پہن کر نہیں دکھایا کہ عورتوں کو ایسے برقعہ پہننا چاہیے، چوڑیاں پہن کر نہیں دکھائیں کہ اتنی چوڑیاں ہونی چاہیے زیادہ نہیں ہونی چاہیے اس کے لئے اللہ نے محمد رسول اللہﷺ کو متعدد خواتین عطا فرمائیں ایک سے زیادہ ازواجِ مطہرات عطا فرمائیں مختلف قبیلوں سے مختلف سوچ رکھنے والے افراد سے مختلف علاقوں سے۔ ہر علاقے کی جو ایک خاص سماجی سوچ ہوتی ہے خاص مزاج ہوتا ہے راجپوت، آرائیں، سید، پٹھان، پنجابی، سندھی ہر ایک کا مزاج مختلف ہے۔ اللہ نے مختلف قبائل سے وہ ازواجِ مطہرات رسول اللہﷺ کے گھر میں جمع کیں۔ پہلے ہی وہ پاکیزہ اور اعلیٰ کردار کی خواتین چن کے لائی گئیں پھر رسول اللہﷺ نے اُن کی تربیت فرمائی قرآن مجید میں ہے وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (ان کی تطہیر کی جیسے تطہیر کی جاتی ہے) اور پھر محمد رسول اللہﷺ نے انہیں دین سکھایا ہے جتنا دین شوہر اپنی بیوی کو سکھا سکتا ہے پاکیزگی وغیرہ کے معاملات اور دیگر معاملات وہ باپ بیٹی کو بھی نہیں سکھا سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہﷺ کی زندگی میں کئی ازواجِ مطہرات کو جمع کر دیا ان کی تربیت فرمائی اور بالخصوص نسوانی معاملات میں بھی قیامت تک کے لئے اسوۂ حسنہ کا وہ حصہ جو عورتوں سے متعلق ہے پردہ کیسے کرنا ہے؟ گھر کے اندر کا پردہ کیا ہے؟ گھر کے باہر کا کیا ہے؟ زیب و زینت کیا ہے؟ اور گھر میں رہنا کیسے ہے؟۔ یہ عورتوں کے لئے اگر نمونہ کوئی ہے تو وہ ازواجِ مطہرات ہیں۔ اسی طریقے پر کچھ خاص معاملات میں اللہ نے صحابہ کرامؓ کو اس لیے چنا تھا۔

یہ تفصیل میں نے اس لئے بتائی کہ تقربِ خداوندی یا قربِ الٰہی اس کے لئے آج ہم

کسی سے جا کر سوال کریں بلکہ یہ سوال جب ذہن میں آتا ہے کہ قرب الٰہی ہونا چاہیے تو ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کی سنت سے ہٹ کر کچھ طریقے فوراً ذہن میں آجاتے ہیں کہ آدمی کسی خانقاہ میں جائے گا کوئی تسبیح پکڑے گا کوئی رات کو بیٹھے گا کوئی اندھیرے میں اللہ کا ذکر کرے گا تو وہ قربِ خداوندی حاصل کر سکے گا۔ یہ بات جو ہے یہ ذہن سے نکال دینے والی ہے سب سے بڑے لوگ جن کو محمد رسول اللہ ﷺ نے تیار فرمایا اور وہ انسانوں میں سے اللہ کے بہت زیادہ قریب تھے پیغمبروں کے بعد، وہ صحابہ کرام ؓ کی جماعت ہے اور ان میں بھی درجہ بندی ہے اس ترتیب کے ساتھ وہ اللہ کے قریب تھے پہلے خلفائے راشدین ہیں پھر عشرہ مبشرہ کے دیگر چھ افراد ہیں پھر مہاجرین صحابہ اور اصحابِ بدر وغیرہ ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھنی چاہیے۔

ابھی ہم ایک حدیث پڑھیں گے اس میں اشارہ اسی طرف آئے گا کہ تقربِ الٰہی کے دو طریقے ہیں وہ دو طریقے ایسے نہیں ہیں کہ میں غریب آدمی ہوں چھوٹا آدمی ہوں دیہات میں رہتا ہوں میرے لئے یہ طریقہ ٹھیک ہے اور آپ امیر آدمی ہیں شہر میں رہتے ہیں وسائل والے ہیں آپ یہ طریقہ اختیار کرلیں۔ وہ دو طریقے ایسے نہیں ہیں۔ بچے آٹھویں جماعت پڑھ کر جیسے ہی نویں میں جاتے ہیں تو پھر ان کو SCIENCE SUBJECT اختیار کرنے پڑ جاتے ہیں کہ بیٹا ڈاکٹر بنے گا، انجینئر بنے گا یا اچھے نمبر نہیں آئے تو مجبوراً دوسرے SUBJECT رکھے گا۔ تو ایسا نہیں ہے کہ کوئی آدمی کہے کہ جناب آپ مشکل مضامین لے لیں میرے ذرا تھوڑے نمبر آئیں ہیں میں ادھر چلا جاتا ہوں ایسی بات نہیں ہے وہ دو ALTERNATIVE تقربِ الٰہی کے دو طریقے ہیں، وہ دو قسم کے خارجی ماحول سے تعلق رکھتے ہیں ایک وقت میں ایک ہی اختیار کیا جا سکتا ہے دونوں نہیں ہو سکتے۔ وہ طریقے کیا ہیں؟ ایک ہے ''تقرب بالفرائض'' اور دوسرے طریقے کو نام دیا گیا ہے جو حدیث میں الفاظ آئے ہیں ''تقرب بالنوافل'' اور یہ دونوں طریقے اس بات سے متعلق ہیں کہ آدمی خارجی حالات کو دیکھے گا کہ آج میں جو دنیا میں زندگی گزار رہا ہوں اب ہم جس دور میں ہیں اس سے سو سال پہلے کے حالات صاف ظاہر ہے کہ مختلف تھے لوگ بھی اور تھے دو سو سال پہلے اور لوگ تھے حالات بھی اور تھے ان کی ذمہ داریاں بھی اور تھیں چودہ سو سال پہلے صحابہ کرام کی جماعت تھی اس وقت اور حالات تھے۔ آج حالات مختلف ہیں ہر آدمی خارجی

حالات کو دیکھے گا اور فیصلہ کرے گا کہ آج کا دور تقرب بالفرائض کا دور ہے یا تقرب بالنوافل کا دور ہے اور پھر جو فیصلہ ہوگا اس کے مطابق اسے وہ راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ یہ نہیں ہے کہ دونوں طریقے ہیں جس کو چاہو اختیار کر لو۔ اس کو آپ یوں سمجھیں کہ ایک ریڑھی والا ہے چھابڑی والا ہے پھل لگاتا ہے کوئی کوئی چیز بیچتا ہے کوئی کوئی چیز، کوئی ریڑھی پر بیچ رہا ہے کوئی سر پر اٹھا کر بیچ رہا ہے وہ بھی جب صبح گھر سے نکلتا ہے تو اندھا دھند بازار نہیں جاتا اور آنکھیں بند کر کے کوئی چیز خرید کے نہیں لاتا۔ بلکہ موسم کو دیکھتا ہے اب گرمیاں آ گئیں ہیں اب مجھے یہ چیز لگانی چاہیے اب سردیاں آ گئیں ہیں اب یہ چیز لگانی چاہیے۔ گرمیاں آ گئیں ہیں تو صاف ظاہر ہے مونگ پھلی اور چلغوزے بیچتا نظر کوئی نہیں آئے گا۔ سردیاں آ گئیں ہیں تو جو گرمیوں کی چیز ہے وہ نظر نہیں آئے گی۔ وہ ریڑھی والا بھی فیصلہ کرتا ہے پھل سر پے اُٹھا کر بیچنے والا چھابڑی والا بھی فیصلہ کرتا ہے کہ خارجی حالات کے مطابق یہ بیچنا ہے مجھے یہ کچھ سودا لانا ہے اور بیچنا ہے مجھے دہاڑی اس میں سے کمانی ہے پیسے کما کے لانے ہیں اور گھر کا خرچہ کرنا ہے۔ وہ خارجی حالات کو دیکھتا ہے کہ خارجی حالات کیا ہیں۔ جب وہ نکلتا ہے صبح آج بارش کا امکان ہے صاف ظاہر ہے وہ کوئی ایسی چیز نہیں لاتا جس سے اس کے سارے سرمایے کے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے وہ ناغہ تو کر سکتا ہے لیکن یہ نہیں کر سکتا کہ اپنا نقصان کر لے۔ بس اسی طرح کا معاملہ ہے۔ بنیادی طور پر دیکھیں گے کہ تقرب خداوندی حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہوسکتا ہے؟ آسان ترین الفاظ میں دین پر چلنے سے ہی وہ حاصل ہوسکتا ہے اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ تو ہو ہی نہیں سکتا' جن چیزوں پر ہم ایمان رکھتے ہیں اس ایمان کے تقاضے پورے کرنے اور جو دین محمد رسول اللہ ﷺ لائے ہیں اس پر عمل کرنے سے ہی تقرب خداوندی حاصل ہوسکتا ہے۔ اس دین پر عمل کرنے کے لئے دو قسم کے خارجی حالات ہیں جو ممکن ہیں: ایک ہے جیسے آج ہم زندہ ہیں حالات خراب ہیں، حکمران فاسق و فاجر ہیں، امریکہ کا دباؤ ہے، دین پر چلنے نکلتے ہیں تو میڈیا خلاف ہے، بچے ہمارے ہیں اور پڑھانا بھی ضروری ہے لیکن یہاں ہمارے ہاں جو کچھ پڑھایا جا رہا ہے اچھے انگریزی سکولوں میں وہ سارا دین کے خلاف ہے۔ اب صاف ظاہر ہے یہ مجبوریاں ہیں۔

ایک دور تھا کہ جب کوئی بچہ بالغ ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں' کہ سرحدوں پر جہاد ہو

رہا ہے جتنے لوگ چاہئیں وہ جا چکے ہیں اور جب تقاضا آتا ہے مزید چلے جاتے ہیں جتنے دین کے تقاضے ہیں وہ سب پورے ہورہے ہیں۔کوئی بدمعاشی کے اڈے نہیں،کوئی حرام خوری نہیں،کہیں شراب نوشی نہیں،کوئی بے حیائی نہیں کوئی اوراس قسم کی باتیں نہیں۔ایک کھاتا پیتا نوجوان کیا کرے گا؟ ایک نوجوان ہے اس کا باپ امیر ہے حلال کمار ہا ہے کبھی ضرورت ہوتی ہے تو جہاد پر چلا جاتا ہے پھر واپس آجاتا ہے گھر میں رہتا ہے کچھ لوگ جہاد پر جانے تھے تقاضا آیا تھا وہ چلے گئے تھے باقی جو ہیں اُن کے لئے اچھا کھانا اچھا پہننا اچھا مکان بنالینا یہ ساری باتیں ممکن ہیں؛اس لئے کہ دین کہ جو تقاضے ہیں پورے ہورہے ہیں۔ذاتی سطح پر میرے اوپر دین کے جو تقاضے ہیں جو آپ پر ہیں خلافت راشدہ ان ہی کی ایک اجتماعی شکل ہے۔تمام مسلمانوں کی طرف سے وہ گویا کہ فرض کفایا ادا کررہی ہے۔اور جب خلافت کا نظام دنیا میں نہ رہے آج جو ہم نے تنظیم بنائی ہے اور اس کے تقاضے ادا کررہے ہیں اس کا بنیادی فلسفہ یہی ہے کہ اس وقت دنیا میں وہ خلافت کا نظام نہیں ہے جو مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرے امر بالمعروف کا اور نہی عن المنکر کا۔لہٰذا اب ہر شخص پر از خود ذمہ داری آگئی ہے کہ وہ خود یہ کام کرے۔لہٰذا جن لوگوں کو یہ احساس ہے وہ ایک اجتماعیت اختیار کرکے اس کی کچھ تیاری کریں کہ مل جل کر کچھ نہ کچھ کام ہوجائے۔شاید اسی طرح کوئی سبیل بن جائے کہ بعد میں خلافت کا نظام قائم ہوجائے۔اُسی کا پیغام ہے اور اُسی کا جھنڈا ہے جو ہم اُٹھائے پھرتے ہیں۔حضرت عمرؓ کے دور میں سنِ بلوغ کو پہنچنے والا نوجوان' اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ وہ عصر سے پہلے جائے مسجد میں بیٹھا رہے نماز پڑھے اللہ اللہ کرتا رہے کوئی بیان ہے وہ سُنے۔مغرب پڑھے اوابین پڑھے اُس کے بعد بھی کوئی بیان ہے تو وہ بھی سُنے اور اُس کے بعد بھی بیٹھا رہے پھر تاخیر سے گھر آئے۔کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے ابھی اُس کی۔صبح فجر میں جائے تو اشراق پڑھ کر آئے۔

لیکن ایک دوسرا ماحول ہے جیسے آج کا ماحول یا وہ ماحول جو فتح مکہ سے پہلے مدینے میں تھا جنگ بدر کے بعد اور جنگ احزاب کے قریب جو ماحول تھا مدینے میں اُس کا تصور کریں کہ چاروں طرف سے دشمن مسلمانوں کو گھیرے ہوئے ہیں اور اُن کو ختم کرنے کے درپے ہیں،ایک وقت میں تو چودہ ہزار یا اٹھارہ ہزار کا لشکر آگیا تھا کہ مسلمانوں کا بالکل خاتمہ ہی کردینا ہے' وہ تو اللہ

نے بچالیا کافر ناکام لوٹ گئے اور مسلمانوں کو اللہ نے اعلیٰ مقام عطا فرمادیا فتح عطا فرمادی لیکن کافر تو اس کے درپے تھے اس کے لئے کوششیں کرتے رہتے تھے منصوبے بناتے رہتے تھے۔اس ماحول میں سیرت النبی کا ایک واقعہ ہے کہ حضور ﷺ مدینہ میں جو آپ ﷺ کے زمانے میں ایک چھوٹا سا شہر تھا' ایک دفعہ صحابہ کرام ؓ کے ساتھ کہیں سے گزر رہے تھے تو ایک گلی میں دیکھا (اس وقت سارے SINGLE STORY مکان ہوتے تھے دیہاتوں میں اب بھی عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کوئی خاص ہی ہوتا ہے خیر آج کل تو پیسہ بہت ہے جو بڑے بڑے مکان بن رہے ہیں ورنہ آج سے 20، 30، سال پہلے ایسا ہی ماحول تھا کہ دیہات میں شاید ایک مسجد پکی ہوتی تھی باقی اس طرح کے عام طور پر پکے گھر بھی بہت کم ہوتے نظر آتے تھے) رسول اللہ ﷺ گزر رہے ہیں آپ کو ایک چوبارہ نظر آ گیا کسی نے جو بھی دو تین کمرے تھے اُن کے اوپر ایک اور کمرہ بنالیا۔رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے؟ کسی نے بتایا کہ فلاں صاحب کا گھر ہے رسول اللہ ﷺ نے کوئی تفتیش نہیں کی کوئی مزید بات نہیں کی کوئی تبصرہ نہیں فرمایا' چلے گئے جدھر کام جا رہے تھے واپس آ گئے۔شام ہوئی صحابہ کرام ؓ اکثر و بیشتر اپنا کاروبار کرتے تھے، وہ صحابی ؓ جن کا وہ مکان تھا بھی آئے تو رسول اللہ ﷺ ان سے بے رُخی سے ملے اس کے لئے قیامت آ گئی اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کل تک معاملہ صحیح تھا اور آج بے رُخی سے مل رہے ہیں بات کیا ہے؟ دو چار صحابہ ؓ سے پوچھا بات سمجھ نہیں آئی بالآخر تلاش کرتے کرتے جس صحابی نے نام بتایا تھا اُس تک بھی رسائی ہوگئی اس نے کہا کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اس گلی میں جا رہے تھے تو آپ ﷺ نے پوچھا تھا کہ یہ چوبارہ کس کا ہے تو میں نے بتایا دیا تھا کہ فلاں صاحب کا ہے۔اُس کو بات سمجھ میں آ گئی اُس نے جا کر وہ چوبارہ ڈھا دیا گرا دیا۔آج جیسا کہ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب فرما رہے تھے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اور طرح سے ہمارے انداز ہوتے ہیں ہم نمبر بنانے کی کوشش کرتے ہیں آج کا کوئی آدمی ہوتا تو وہ آ کر فوراً کہتا حضور میں نے وہ چوبارہ گرا دیا ہے اور وہ ایک طرح سے اپنا احسان جتاتا کہ میں نے اشارے میں کام کر دیا میرا درجہ زیادہ ہونا چاہیے۔انہوں نے بتایا ہی نہیں بالکل کسی کو نہیں بتایا بس جس کو از خود پتہ چل گیا پتہ چل گیا۔کچھ عرصے بعد چند مہینے یا چند ہفتے بعد دوبارہ رسول اللہ ﷺ کا ادھر گزر ہوا آپ ﷺ نے پوچھا ادھر چوبارہ تھا وہ کہاں چلا گیا؟ تو

جو بھی کوئی صحابی اس وقت ساتھ تھے انہوں نے بتایا کہ وہ تو انہوں نے اسی دن گرا دیا تھا(1)۔ رسول اللہ ﷺ اس پر بھی خاموش رہے اور جدھر کام جا رہے تھے چلے گئے۔ میں اس کی اگلی تفصیلات نہیں بتا رہا۔ سوال یہ ہے کہ چوبارہ بنانا کیا حرام ہے؟ سہولت کی کوئی چیز گھر میں ADD کر لینا حرام ہے؟ کیا اپنے لیے کوئی آسائش پیدا کر لینا سایہ بنا لینا وہ حرام ہے؟ نہیں! تو اللہ کے رسول ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کیوں فرمایا۔ فرق یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کا ایک بالغ ہونے والا نوجوان اور مدینے کے اس دور میں ایک بالغ کمانے والے شخص کی ذمہ داریوں میں فرق ہے اور فرق ایک ہی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں تھے فتح مکہ سے پہلے تو اللہ کا دین مغلوب تھا دشمن درپے تھے یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَاللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ دشمن یہی منصوبے رکھتے تھے کہ اللہ کے نور (نور ہدایت اور اسلام کی تعلیمات) کو سازشوں سے ختم کر دیں۔ اُس وقت اللہ کے رسول ﷺ یہ چاہتے تھے اور دین کا تقاضا بھی یہ تھا تقربِ الٰہی کا تقاضا بھی یہ تھا کہ ایک ایک روپیہ اور خون کا ایک ایک قطرہ اور وقت کا ایک ایک منٹ اس کام میں لگنا چاہیے کہ اللہ کا دین غالب ہو، اگر یہاں سے ادھر اُدھر کہیں لگ رہا ہے تو وہ WASTE ہو رہا ہے وہ وسائل DRAIN ہو رہے ہیں وہ کہیں اور جا رہے ہیں وہ مشن کے خلاف لگ رہے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آ کر 20 سال بعد کی بات ہے اس میں وہ ساری بات جائز ہو گئی کیوں؟ اس وقت اسلام غالب ہے دین کے تقاضے پورے ہو رہیں ہیں اس وقت کسی اور طریقے سے اللہ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے آپ نفل پڑھیں، صدقہ کریں، خیرات کریں، وعظ و نصیحت کریں، درسِ قرآن سنیں بیٹھ کر۔ جب کہ اللہ کا دین مغلوب ہو تو اُس وقت کوئی آدمی کہے جی میں تو فجر میں جاؤں گا اور اشراق پڑھ کے واپس آؤں گا یا پھر عصر میں جاؤں گا اور عشاء کے بعد آؤں گا کوئی ذمہ داری ہے تو ہوا کرے میں تو بس اللہ اللہ ہی کیا کروں گا یہ اس وقت ممکن نہیں تھا' چوبارہ بنانا ممکن نہیں تھا تو یہ بھی ممکن نہیں تھا۔ آج جو ہماری سوچ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اشراق کی نماز ہمارے جو صوفیا ہیں اور جو بندے کو تقربِ خداوندی دلانے کے ماہرین کہلاتے ہیں اس دور کے کہ وہی انسان کو اللہ کے قریب کر سکتے ہیں' اُن کے نزدیک اشراق کی کتنی اہمیت ہے بہت اہمیت ہے۔ لیکن صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بھی موجود ہے کہ ''میں نے رسول

اللہ ﷺ کو کبھی اشراق پڑھتے نہیں دیکھا''(2)۔اس لئے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ اگر فجر کے بعد بیٹھ جائیں اور دو گھنٹے غائب ہوں دشمن کیا کر رہا ہے کیا ہو رہا ہے کدھر سے کون آ رہا ہے کیا اطلاع آ رہی ہے تو پھر دشمن کو کوئی اور کام کرنے کی ضرورت نہیں بس یہی کافی ہے کہ دو تین گھنٹے ایسے مل جاتے ہیں اُس میں کسی کو کوئی خبر نہیں ہوتی وہ
کپڑا ڈال کر منہ پے بیٹھ جاتے ہیں تو اُس گھنٹے میں کوئی CID رپورٹ آئے کوئی دوسری بات آئے کوئی اطلاع آئے بس وہ ہوتا ہے کہ دو گھنٹے بعد ہوگا بس وہ دو گھنٹے میں حملہ کر کے صاف کر دو دشمن کو ـــــــــ تو اُس دور میں یہ ممکن نہیں تھا۔لہٰذا تقرب خداوندی کے جو دو طریقے ہیں وہ دو قسم کے ماحول سے متعلق ہیں خارجی حالات سے متعلق ہیں۔ایک قسم کے خارجی حالات وہ ہیں جو مدینے میں تھے جب رسول اللہ ﷺ کا دور تھا فتح مکہ سے پہلے یا آج کے حالات ہیں اگر ہم اُس پر انطباق کریں گے اور کوئی استخراجی نتیجہ نکالنا چاہیں گے تو آج کے حالات میں بھی دین مغلوب ہے، شاید ہی کوئی آدمی ایسا ہو میرے نزدیک تو وہ MENTAL ہی ہوگا جو کہے جی کہ اس وقت دنیا میں اسلام غالب ہے شاید کوئی شخص بقائمی ہوش وحواس کہہ نہیں سکتا۔لہٰذا آج کے حالات رسول اللہ ﷺ کے اُس مبارک دور سے زیادہ مشابہ ہیں زیادہ قریب ہیں۔مدینے میں بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم آسودہ حال تھے جو اغنیائے صحابہ کہلاتے ہیں لیکن ان کی زندگی پھر بھی بہت سادہ تھی؛اس لئے کہ سارا پیسہ سارے وسائل سارا وقت ساری توانائیاں اُسی مشن میں لگ رہی تھیں۔

یہ دو طریقے ہیں تقربِ خداوندی کے حصول کے ان میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کرنے کے لئے ہمیں پہلے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ آج کے حالات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے مشابہ ہیں، خلافت راشدہ سے مشابہ ہیں یا ـــــــــ رسول اللہ ﷺ کے اُس دور سے مشابہ ہیں جو فتح مکہ سے پہلے کا دور تھا۔

جو ـــــــــ تقرب خداوندی 'فرائض' کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ نوافل کے ذریعے حاصل نہیں ہوتا،تقرب ہو جائے گا لیکن اس تقرب میں بڑا فرق ہے قرآن مجید میں سورۃ الحدید میں ہے۔فرمایا:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً

مِّنَ الَّذِيۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَ قٰتَلُوۡا

''جس شخص نے تم میں سے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی وہ (اور جس نے یہ کام پیچھے کیے وہ) برابر نہیں ان کا درجہ ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنھوں نے بعد میں خرچ (اموال) اور (کفار سے) جہاد وقتال کیا''

ایک وقت اسلام مغلوب ہے اس وقت جو خرچ کرے گا اس کا درجہ بہت زیادہ ہے اور ایک وقت میں اسلام غالب ہو جائے گا اس کے بعد جو خرچ کرے گا قبول کر لیا جائے گا درجہ ہوگا نیکی ہی لکھی جائے گی لیکن یہ کہ اس کا درجہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہوگا۔ تو آج پہلا فیصلہ تو یہ کرنے کا ہے آپ غور کریں اور خوب غور کریں دوسروں سے مشورہ کریں رائے لیں راہنمائی لیں۔ بہر حال میرے حساب سے آج کا دور نبی پاک ﷺ کے مدنی دور سے زیادہ مشابہ ہے دین مغلوب ہے اور دین مخالف قوتیں، اللہ تعالیٰ کے دین کی دشمن قوتیں، محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت اور سیرت، اُن کی نبوت اور وحی کے خلاف طاقتیں ساری کی ساری مجتمع ہیں اور میڈیا کے زور پر وہ ہمارے سب کا ذہن بدل دینا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ہماری سوچ کا حاصل یہ ہونا چاہیے اگر ہمارے اندر جذبہ پیدا ہو جائے تو پھر تقرب بالفرائض کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ تقرب بالنوافل والے طریقے کا دور بھی آئے گا اور آج تو صوفیا سے جا کر ملنا چاہیے کہ آؤ بھائی کچھ دن کے لئے طرزِ عبادت بدل ڈالو، ہمارے ساتھ مل کر کام کرو اللہ کے دین کو غالب کرتے ہیں پھر دین غالب ہو جائے گا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہو جائیں گے پھر تقرب بالنوافل کا طریقہ ہو جائے گا ہم بھی اللہ اللہ کریں گے ہم بھی مسجد میں بیٹھا کریں گے اللہ کے دین کے تقاضے پورے ہو رہے ہوں امر بالمعروف ہے، نہی عن المنکر ہے، دین کی خلاف ورزی ہے ہی نہیں، عدل ہے، انصاف ہے، لوگوں کی کفالت ہو رہی ہے، ظلم نہیں ہو رہا، زیادتی نہیں ہو رہی، بے حیائی نہیں بدمعاشی نہیں۔ تو عام انسان کی ذمہ داریاں تقرب بالنوافل تک محدود ہیں۔

اس کے بعد تو اصل ذمہ داری حکومت کی ہو جائے گی اور عوام پر سے بوجھ کم جائے گا۔

تو آج کے دور میں تقرب الٰہی کا جو طریقہ آپ کو اور مجھے میسر ہے اگر یہ احساس ہو کہ اللہ کا دین مغلوب ہے تو یہ طریقہ ہے تقرب بالفرائض کا۔ فرائض کا لفظ ہمارے ہاں جیسا کہ آپ نے شاید

کوئی لیکچر یہاں بھی سُنا ہوگا' ایک فرض کی اصطلاح ہے جو فقہی اصطلاح ہے نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، وضو فرض ہے نماز کے لئے، پھر وضو کے اندر فرائض ہیں، پھر نماز فرض ہے ظہر کی ہے تو چار رکعتیں فرض ہیں پھر نیت باندھنے کے بعد اس کے اندر فرض ہیں کچھ چیزیں واجب ہیں سنت ہیں۔ تو ایک فرض کی اصطلاح یہ ہے جو فقہی اصطلاح ہے۔ ایک فرض کی اصطلاح وہ ہے جو سیرت النبی ﷺ میں یا احادیث میں استعمال ہوئی ہے وہ فرض اس کے زیادہ قریب ہے جو فرائض دینی کا جامع تصور تنظیم اسلامی نے عام کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہوگا جو اس سے زیادہ واقف نہ ہو' فرائض دینی کا ایک جامع تصور ہے، اللہ کی طرف سے بہت سارے فرائض ہیں، تقاضے ہیں، دین کے یہ یہ کام کرنے ہیں، خود بھی عمل کرنا ہے دوسروں کو دعوت بھی دینی ہے اور اسلام کو غالب بھی کرنا ہے۔

عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَلْاِسْلَامُ ثَلَاثَةُ اَبْيَاتٍ: سُفْلٰى وَعُلْيَا وَ غُرْفَةٍ؛ اَمَّا السُّفْلٰى فَالْاِسْلَامُ، دَخَلَ عَلَيْهِ عَامَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَايُسْأَلُ اَحَدٌ مِّنْهُمْ اِلَّا قَالَ اَنَا مُسْلِمٌ، وَاَمَّا الْعُلْيَا فَتَفَاضُلُ اَعْمَالِهِمْ' بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ اَفْضَلُ مِنْ بَعْضٍ وَاَمَّا الْغُرْفَةُ الْعُلْيَا فَالْجِهَادُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ' لَايَنَالُهَا اِلَّا اَفْضَلُهُمْ (کنزالعمال کتاب جهاد)۔

''حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اسلام تین منزلہ مکان ہے سب سے نچلی منزل اسلام میں داخل ہونا ہے (یعنی کلمہ پڑھنا) اس منزل میں عام مسلمان داخل ہوگئے ہیں پس تو جس سے سوال کرے گا کہ تو کون ہے (یعنی مسلمان ہو یا کافر) تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں مسلمان ہوں۔ اس سے اوپر کی منزل نیک عمل کی برتری ہے' بعض مسلمان عمل کے لحاظ سے برتر ہیں بعض سے۔ اور سب سے اعلیٰ منزل راہِ خدا میں جہاد کرنا ہے' اس مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا مگر وہ جو سب مسلمانوں میں افضل ہو'

فرائض دینی کا جامع تصور ایک سہ منزلہ عمارت کی شکل میں اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں

یہ جوفرائض کا تصور ہے یہ اللہ کے قریب کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ ہے اسی میں جہاد ہے اسی میں قتال ہے۔اس کو اگر ایک لفظ میں بیان کریں تو صحابہ کرامؓ کی زندگی اختیار کی جائے تو تقرب بالفرائض والا نقشہ سامنے آئے جائے گا۔عشرہ مبشرہؓ کی زندگی کا مطالعہ کرو دوسرے صحابہ کرامؓ کی زندگی کا مطالعہ کرو۔حقیقت یہ ہے کہ ہم باعمل مسلمان اور دین کے فرائض ادا کرنے والے مسلمان ہونے کے باوجود صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو پڑھتے نہیں ہیں اس سے واقف نہیں ہیں اس کا اندازہ ایسے کیا جا سکتا ہے شاید عشرہ مبشرہ دس جلیل القدر صحابہ کرامؓ جن کو رسول اللہ ﷺ نے اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی تھی' اس سے بڑا درجہ کیا ہوسکتا ہے کسی کی گارنٹی دی جاسکتی ہے؟ کہ آج کی تاریخ میں یہ جنتی ہے دو سال زندہ رہے دس سال زندہ رہے خواہ جو کچھ بھی یہ کرے یہ پھر بھی جنتی رہے گا آپ کی گارنٹی کوئی نہیں دے سکتا میری گارنٹی کوئی نہیں دے سکتا آپ کی گارنٹی کوئی نہیں دے سکتا بلکہ کسی کی بھی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔لیکن صحابہ کرامؓ میں سے دس ایسے حضرات ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کا ذمہ لے لیا ہے کہ یہ مجھے یقین ہے کہ غلطی نہیں کریں گے دین کے خلاف کام نہیں کریں گے۔کتنی بڑی بات ہے۔ہم ان عظیم ہستیوں کے حالات سے بھی واقف نہیں ہیں ان کے نام بھی نہیں جانتے آپ میں سے آدھے سے زیادہ لوگ وہ ہوں گے جو عشرہ مبشرہ دس صحابہ کرامؓ کے نام بھی نہیں جانتے تو پھر ہمیں کیا نسبت ہوسکتی ہے ان ماموریں سے جنہوں نے محمد ﷺ کی امارت میں مامور ہونے کا حق ادا کر دیا ہمارے لئے تو نمونہ وہی ہیں ہمارے لئے تو IDEAL وہی ہیں وہاں سے نمونہ حاصل کریں گے تو آگے قدم اٹھا سکیں گے۔

تقرب الفرائض کا اعلیٰ ترین نمونہ اگر دیکھنا ہے تو وہ صحابہ کرامؓ کی زندگی ہے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں اور ہماری زندگی میں کیا فرق ہے ایک مثال سے واضح کرتا ہوں ورنہ بہت زیادہ دیر لگ جائے گی۔آج بھی بہت لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں عام مسلمانوں کا اندازہ لگائیں بہت سارے لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں، روزے رکھ رہے ہیں، کاروبار میں کچھ لوگ خیال کرتے ہیں کہ حرام کے عنصر سے بچا جائے اور بھی زندگی کے کچھ معاملات ہیں' بعض لوگ سورت یٰسین پڑھتے رہتے ہیں کہ اس سے فلاں بلا نہیں آتی، دوکان پر جاتے ہیں تو وہ فلاں سورت پڑھو اس

سے چوری نہیں ہوتی دوکان پر ڈاکہ نہیں پڑتا، گھر میں سورت واقعہ پڑھتے رہتے ہیں اس سے فاقے نہیں آتے فلاں سورت پڑھتے رہو اس سے یہ نہیں ہوتا فلاں سورت سے یہ نہیں ہوتا۔ بس ـــــــــــ یہ تصور ہے آج کی زندگی میں۔ آدمی کو ایک فکر لاحق ہے کہ کہیں فاقے نہ آ جائیں، کہیں کاروبار میں مندہ نہ ہو جائے کہیں یہ نہ ہو جائے کہیں وہ نہ ہو جائے۔ لہٰذا آدمی خود بندوبست کرتا رہتا ہے۔ جب کہ صحابہ کرامؓ کی زندگی کیا تھی؟۔ صحابہ کرامؓ کو تو بہت بعد میں یہ فضیلتیں اللہ کے رسول ﷺ نے بتائیں ہیں 23 سال میں سے میں سمجھتا ہوں 17 یا 18 سال کی زندگی وہ ہے جن میں یہ ساری فضیلتیں ان کے سامنے نہیں تھیں وہ تو قرآن پڑھ رہے تھے جیسے پڑھتے ہیں اللہ اللہ خیر صلا۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی یہ تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو دین کے حوالے کر دیا تھا کہ جو دین کے تقاضے ہیں ہم اُس پر عمل کریں گے اُس میں اپنی سوچ کو دخل دینا ہی نہیں ہے کہ جناب یہ کرنا ہے اور یہ نہیں کرنا یہ آسان ہے کر لیتے ہیں اور یہ مشکل ہے چھوڑ دیتے ہیں جو دین کے تقاضے ہیں پورے کرنے ہیں۔ اپنے سارے معاملات اللہ کے حوالے کر دیے ہیں کاروبار میں نقصان نہ ہو اللہ خود حفاظت کرتا ہے یہ تو بندہ میرا ہے یہ تو میرے دین پر چل رہا ہے جہاد کے لئے جب بلاوٴ چلا جاتا ہے اس کے کاروبار کی کون حفاظت کرے گا اللہ کہتا ہے میں خود کروں گا اس کے بچوں کی حفاظت کون کرے گا اللہ کہتا ہے میں خود کروں گا اس کے بچوں کے معاملات اس کے گھر کے معاملات کی کون نگہبانی کرے گا میں خود کروں گا اللہ کے ذمہ ہے اس کی نگہبانی اور جو بھی ضروریات ہیں وہ کون پوری کرے گا میرے ذمہ ہے اللہ فرما رہا ہے اللہ کے ذمہ ہے سارا معاملہ۔ جبکہ ہم جو آج مسلمانی کی زندگی اکثر لوگ گزارتے ہیں ہم مرضی کی زندگی گزارتے ہیں ہم کاروبار پہلے چن لیتے ہیں کہ یہ کاروبار کرنا ہے مثلاً آڑھت کا کاروبار کرنا ہے یہ تو فیصلہ ہو گیا اب اس کے بعد سوچتے ہیں کہ اس میں نیکی ہو بھلائی ہو یا رکوئی خلافِ شریعت نہ ہو جائے' پھر اس میں ڈرتے ہیں کوئی ٹرک پھنس گیا ہے یا اس طرح کی کوئی مشکل آ گئی ہے تو فلاں سورت پڑھو، آیت کریمہ ایک لاکھ پڑھواوٴ وہ ٹرک چھوٹ جائے گا پھر ہم کہتے ہیں جی عدالت میں کوئی کیس ہو جائے گا تو بس آیت الکرسی پڑھ کر پھونک دو حاکم اندھا ہو جائے گا اسے نظر ہی کچھ نہیں آئے گا وہ تمہارے حق میں فیصلہ کر دے گا۔ یہ انداز ہے آج ہمارا دین پر چلنے کا کہ ہم اپنی مرضی کی

زندگی گزار رہے ہیں۔ سود کے کاروبار کی دوکان ہے اس میں آگ نہ لگ جائے یہ سورت پڑھو، اس میں لوح قرآنی کا نقش لگاتے ہیں کہ اس میں کوئی نقصان نہ ہو جائے اور نا معلوم گھروں میں کیا کیا لگاتے ہیں۔ جب کہ صحابہ کرامؓ کی زندگی کیا تھی؟ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا تھا جو تقاضے دین کے ہیں وہ بہر حال ادا کرنے ہیں، جو تقاضا آئے گا اس میں سوچنے کا موقع ہی نہیں ہے، اللہ کے دین کا تقاضا ہے بس اس کو اب پورا کرنا ہے، میرے پاس تو کوئی OPTION ہی نہیں ہے۔ اس صورت حال میں اللہ ان کی حفاظت کر رہا تھا وہ اللہ کے دین کے جھنڈے اٹھا رہے تھے اور اُن کے معاملات کی حفاظت اللہ خود کر رہا تھا۔ اگر ہم اپنے معاملات خود چلائیں گے تو شاید اتنے بہتر نہیں چلا سکتے جتنے ہم اللہ کے حوالے کر دیں گے تو اللہ ہم سے بہتر چلا سکتا ہے۔ اس کو بھی ایک عملی مثال سے سمجھیں آج ہماری دعائیں کیا ہیں اور صحابہ کرامؓ کی دعائیں کیا تھیں ان کی خواہشات، سوچ (AMBITIONS) کیا تھیں؟ حضور ﷺ کی کوئی دعا بہت زیادہ طویل نہیں ہے تفصیلی تو ہے ہی نہیں، صحابہ کرامؓ کی دعائیں بھی نہیں ہیں، آج ہماری دعائیں گھنٹے گھنٹے دو دو گھنٹے کی ہوتی ہیں اور تفصیلی دعا جب ہوتی ہے تو کیا ہوتا ہے کہ اے اللہ میرے پانچ بچے ہیں آپ جانتے ہیں مُنّا بیمار ہے بڑے کے پاس کاپی نہیں ہے اس کا سکول میں داخلہ نہیں ہو رہا، جی اُس کا یہ مسئلہ ہے اس کا یہ مسئلہ ہے، ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہے۔ کیا اللہ کو نہیں پتا آپ بتا رہے ہیں تو اللہ کو پتہ چل رہا ہے کہ مُنا بیمار ہے کہ اگر یہ ذہن میں ہے تو پھر ایمان کی کیفیت بہت نیچی ہے۔ ہم دعائیں کر کے تو جیسے اللہ کے علم میں اضافہ کر رہے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ...... جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ اللہ کو بتاتے ہیں کہ آپ کا حصہ دار ایک ادھر بھی ہے حالانکہ اللہ نے تو کوئی حصہ دار بنایا ہی نہیں۔ اگر آپ دین پر چل رہے ہیں تو اللہ آپ کے بچوں کی آپ کے گھر والوں کی آپ کے کاروبار کی آپ کے معاملات کی ازخود حفاظت کر رہا ہے اور اگر آپ اپنی مرضی کی زندگی گزار رہے ہیں کاروبار اپنی مرضی کا اور پھر اس میں کچھ پیسے بچے تو عمرہ کر لو ہر سال حج کر لو اور صدقہ کر لو خیرات کر لو۔ یہ تصور کہ پوری زندگی کو اللہ کے حوالے کر دینا ہے "یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ" پوری زندگی میں اللہ کی بندگی کرنا ہے...... اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوری زندگی اللہ کے حوالے کر دی تھی

بس اللہ خود ان کے معاملات کا محافظ تھا۔صحابہ کرام ﷺ کو قرآن مجید میں حزب اللہ کہا گیا ہے اور وہ بھی ایک خاص مدت کے بعد کہا گیا پہلے دن سے نہیں کہا گیا مکے میں نہیں کہا مدینے میں آ کر کہا یہ ہے ایک تیار شدہ جماعت حزب اللہ۔

ابتدا میں سورۃ الانفال کی جو آیت میں نے پڑھی تھی اس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ حزب اللہ جو صحابہ کرام ﷺ جماعت تھی اور اس کے بعد بھی تاریخ میں کبھی کبھی وہ جماعت نظر آتی ہے اور اب بھی دنیا میں ہو گی تھوڑے لوگ ہوں گے بہر حال ہیں سہی۔ وہ حزب اللہ کیا ہے؟ اس آیت کا ترجمہ کرتے ہیں۔ غزوۂ بدر سے پہلے والی جو رات تھی اُس میں حضور ﷺ نے ساری رات یا اکثر حصہ عبادت کی تھی ایک جھونپڑی سی بنا دی گئی تھی اس میں عبادت کی تھی اور صبح فجر کے وقت جب نکلے تو آپ ﷺ نے مٹھی بھر ریت اُٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی اس پر اللہ نے فرمایا:

وَمَارَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (8-17)

''یہ جو مٹھی ریت کی آپ ﷺ نے پھینکی تھی (اللہ خود کہہ رہا ہے کہ آپ نے پھینکی تھی) وہ آپ نے نہیں پھینکی تھی وہ تو اللہ نے پھینکی تھی''۔ تین دفعہ ایک ہی بات کو دوہرا دیا۔ یہ حزب اللہ کا کردار ہے جو لوگ بھی تقرب بالفرائض کریں گے وہ اللہ کے ہاتھ میں تلوار ہیں وہ اللہ کے ہاتھ میں ایک جماعت ہے اللہ جو کام دنیا میں کرنا چاہے گا ان کے ذریعے سے کرائے گا۔ بظاہر حضور ﷺ سے وہ مٹھی ریت کی پھنکوائی تھی اللہ کہہ رہا ہے وہ تو ہم نے پھینکی تھی، ہمارا منصوبہ تھا کہ ایسے ہو جائے گا وہ ریت کہاں کہاں جا کر لگنی تھی یہ تو اللہ کا منصوبہ تھا آپ سے کہا تھا کہ ٹھیک ہے پھینک دو وہ مٹھی بھر ریت' حکم تو اللہ کا تھا کہ یہ کام ہونا ہے۔ جب کہ دوسرے طریقے پر جو تقرب النوافل والا ہے اس سے متعلق حدیث کا ابھی ہم رواں ترجمہ کر دیں گے اس میں آدمی عبادات میں لگ جاتا ہے بہت زیادہ نوافل بہت زیادہ عبادات بہت زیادہ ذکر بہت زیادہ قرآن مجید کی تلاوت۔ اس سے کیا ہو جاتا ہے کہ اس آدمی کی جو خواہشات ہیں اس کی جو سوچ ہے وہ ایسی ہوتی ہے کہ یہ آدمی اچھا ہے اس کے رزق میں برکت ہو جائے اس کا کاروبار چل جائے تو آپ نے دعا کی اور وہ پوری ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے کہ اللہ اس کا ہاتھ بن جاتا ہے تقرب بالفرائض میں بندہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اللہ جیسے چاہتا ہے اس کو استعمال کرتا ہے جیسے تلوار ہے علامہ اقبال نے

بھی کہا ہے کہ جو قوم اللہ کا کہنا مانتی ہے حزب اللہ وہ تو اللہ کے ہاتھ میں ایک تلوار ہے......

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے ہر زماں جو اپنے عمل کا احتساب

اور جو لوگ تقرب بالنوافل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں وہ بھی طریقہ ہے اس وقت فرائض تو ہے ہی نہیں فرائض کو تو وہی ادا کر رہے ہوں گے کہ جو جہاد کر رہے ہوں گے۔ گھر پر کوئی ہے وہ بھی اللہ کے قریب ہوسکتا ہے LOWER LEVEL پر بھی اللہ کے قریب ہونے کا طریقہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ نوافل میں زیادہ محنت کرو اور پھر اللہ اس آدمی کا ہاتھ بن جاتا ہے اس کا پاؤں بن جاتا ہے اس کی آنکھیں بن جاتا ہے اس کے کان بن جاتا ہے یعنی خواہش وہ آدمی کرتا ہے اللہ اس کام میں برکت ڈال دیتا ہے جو وہ چاہتا ہے ویسے فوراً ہو جاتا ہے۔ یہ تقرب کے دو طریقے ہیں یہ حدیث ہے چونکہ بخاری شریف میں ہے حضرت ابو ہریرہ ﷛ اس کے راوی ہیں، میں اس کا ترجمہ کر رہا ہوں تا کہ سند کے طور پر بھی ہمارے سامنے رہے۔

(عن ابی هريرة ﷛ قال) حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے وہ یہ کہتے ہیں (قال رسول الله ﷺ) کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (ان الله تعالی قال) یہ حدیث قدسی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی یہ فرمار ہے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے اب یہ قرآن میں نہیں ہے اسی لئے حدیث قدسی ہے لیکن اللہ کا ہی کلام ہے قرآن کے علاوہ بھی محمد ﷺ پر وحی آتی تھی اسی لیے حدیث کو ہم ''وحی خفی'' کہتے ہیں اس میں نام لے کر حضور ﷺ نے کہہ دیا تو حدیث میں اس کا اونچا مقام ہو گیا حدیث قدسی ہوگئی فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ فرائض کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کریں گے جیسا صحابہ کرام ﷛ ہیں جنگیں لڑیں ہیں جدھر حکم ہیں حاضر ہیں۔ وہ سورۃ الانفال میں ہے غزوۂ بدر کے موقع پر منافقین نے یہ کہا تھا کہ محمد کے ساتھی جو ہیں غَرَّ هٰٓؤُلَاۤءِ دِيۡنُهُمۡ ان کو تو محمد ﷺ نے پاگل کر دیا ہے یہ نہ رات دیکھتے ہیں نہ دن دیکھتے ہیں نہ گھر کے حالات دیکھتے ہیں نہ گھر والوں کو دیکھتے ہیں جب ان کو تقاضا آتا ہے جہاد اور جنگ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ فرمایا کہ یہ اللہ کے بندے ہیں یہ حزب اللہ ہیں ان کے مفادات کا تحفظ، کاروبار لین دین، بچوں کی صحت، معاملات سارا کچھ اللہ کے ذمہ ہے اس کی

LOCK AFTER اللہ کے ذمہ ہے وہ ان کی نہیں کرے گا تو اور کس کی کرے گا؟ بتائیں کیا بدمعاشوں، سمگلروں اور چوروں کی کرے گا۔ جو تقرب بالفرائض میں سرگرداں ہیں اس میں لگے ہوئے ہیں ایسے لوگ اللہ کے ولی ہیں فرمایا مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا جو کوئی میرے ایسے آدمی سے جو تقرب بالفرائض کے ذریعے اللہ کے دین کے غلبے کے لئے حزب اللہ میں شامل ہے تقرب بالفرائض سے اللہ کے قریب ہونا چاہتا ہے فرمایا جو کوئی اس سے دشمنی رکھے گا حزب اللہ کے مقابلے میں آئے گا حزب اللہ کوئی بن جائے پھر تو جو اس سے ٹکرائے گا قرآن مجید میں سورۂ انبیاء میں ہے ہم اُس کا بھیجا نکال دیں گے کوئی آئے تو سہی مقابلے پر ہم حزب اللہ کو آگے کرتے ہیں اور اس کا بھیجا نکال لیتے ہیں۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ (بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے) (21-18)۔

فرمایا: مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا جو کوئی ایسی جماعت سے دشمنی رکھے گا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ یہ پیروں کے بارے میں نہیں ہے یہ آستانہ نشینوں کے بارے میں نہیں ہے یہ اُن لوگوں کے بارے میں ہے جو تقرب بالفرائض کا طریقہ اختیار کرتے ہیں جیسے صحابہ کرامؓ کی جماعت ہے فرمایا میرا بھی اُن کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ گویا کہ وہ اُن سے نہیں لڑیں گے وہ اللہ سے لڑیں گے۔ وہ ظاہر میں صحابہ کرامؓ ہوں گے سامنے حزب اللہ ہو گی لیکن پیچھے تو اللہ کا ہاتھ ہے۔ آج بھی اگر کوئی دنیا میں میرے نزدیک کوئی اچھا انسان ولی اللہ اور کوئی اعلیٰ درجے کا انسان ہے تو وہ ملا عمر ہے اگر حیات ہے تو رحمۃ اللہ علیہ۔ بہر حال اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ وہ حزب اللہ ہیں امریکہ جیسا ملک اس کے پورے اتحادی GOOGLE EARTH ہے وہ اس میں ہر چیز کو چھان مارتے ہیں جہاں چاہتے ہیں وہ آج تک اُن کو ملے نہیں پورا افغانستان اُن کے قبضے میں ہے وہ کہاں چھپا ہوا ہے کہیں زندہ ہے تو کہاں ہے اللہ اس کی حفاظت کر رہا ہے اور جو لڑائی لڑتے ہیں ہم تو لڑتے نہیں ہیں اس لئے ہمیں اندازہ نہیں ہے لڑائی کے لئے سپلائی لائن چاہیے ہوتی ہے ضروریات چاہئیں ماچس، دودھ، کھانا پینا، ڈبل روٹی ہر چیز روزانہ چاہیے ہوتی ہے زندگی کی ڈور قائم کرنے کے لئے' سپلائی لائن نہ ہو تو وہ دشمن دو چار دن بعد ہار جاتا ہے سارے بھوکے مر جاتے ہیں آٹھ سال سے وہ لڑ رہے ہیں پوری دنیا میں کون ہے جو ان کی حمایت کر رہا ہے؟ وہ اللہ ہی کسی

کے ذریعہ سے کروار ہا ہے۔ یہ اللہ کی مدد سے ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ فرمایا جوایسے لوگوں سے دشمنی رکھے گا میرا بھی اُن کے خلاف اعلان جنگ ہے وہ اُن کی طرف سے اللہ لڑے گا بظاہر وہ ہوں گے اصل میں اللہ سے لڑائی ہے۔

وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبۡدِیۡ بِشَیۡءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ اوراللہ نے فرمایا سب سے زیادہ محبوب طریقہ میرے نزدیک جوکوئی بندہ اختیار کرسکتا ہے کہ اللہ کے قریب ہوا جائے' وہ کیا ہے؟ مِنۡ مَا افۡتَرَضۡتُ عَلَیۡہِ وہ فرائض کے ذریعے تقرب حاصل کرے اُن چیزوں پر چلنا جواللہ نے فرض قرار دی۔ یہ سب سے اعلیٰ طریقہ ہے جواللہ نے خود فرمایا ہے اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں۔ اولئك حزبُ اللّٰه۔ ذالك مثلهم فی التورة و مثلهم فی الانجیل۔

دوسراطریقہ ہے تقرب بالنوافل وَ مَا یَزَالُ عَبۡدِیۡ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ اللہ کا دین غالب ہوگیا، خلافت کا نظام قائم ہوگیا اب بھی اللہ کے قریب ہونے کا ایک طریقہ ہے یہ نہیں ہے کہ اُس کے بعد کھاؤ پیو عیش کرو بس۔ پھر بھی اللہ کے قریب ہونے کا طریقہ ہے کوئی SLOW MOTION ہے کوئی سُست رفتار ہے آہستہ ہے درجہ میں تھوڑا ہے پر ہے سہی۔ فرمایا: اور کوئی میرا بندہ ایسا نہیں ہے جو نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہے اُس میں لگ جائے لگا رہے نوافل ادا کرتا رہے نفل عبادات ہیں، روزے ہیں، نمازیں ہیں، تلاوت ہے، ذکر ہے، مسجد میں بیٹھنا ہے، اعتکاب ہے تو جو آدمی اس کام میں لگا رہے گا تو کیا ہوگا؟ حَتّٰی اُحِبَّہٗ میں اس سے محبت کرنے لگوں گا۔ اب یہ اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں اللہ ان سے محبت کرنے لگتا ہے کوئی شک نہیں۔ فَاِذَا اَحۡبَبۡتُہٗ ایسے لوگوں سے جب میں محبت کرتا ہوں کُنۡتُ سَمۡعَہُ الَّذِیۡ یَسۡمَعُ بِہٖ میں اُن کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتے ہیں۔ اب بخاری شریف کی روایت ہے الفاظ ماننے تو پڑیں گے اور ہیں بھی حضرت ابو ہریرہؓ کے۔ وَ بَصَرَہُ الَّذِیۡ یُبۡصِرُ بِہٖ اور ان کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اللہ اس کی بصارت میں تیزی دے دیتا ہے، اُس کی سماعت میں تیزی دے دیتا ہے۔ وَ یَدَہُ الَّتِیۡ یَبۡطِشُ بِھَا اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ وَ رِجۡلَہُ الَّتِیۡ یَمۡشِیۡ بِھَا اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وَ اِنۡ سَأَلَنِیۡ ایسا بندہ اگر مجھ سے کچھ مانگتا ہے لَاُعۡطِیَنَّہٗ میں لازماً اُسے دیتا ہوں اس کی دُعا

قبول کرلیتاہوں وَ لَئِنِ اسۡتَعَاذَنِیۡ اور اگر وہ مجھ سے کسی چیز سے پناہ مانگتا ہے لَاُعِیۡذَنَّہٗ تو میں لازماً اسے اس کی پناہ دے دیتا ہوں۔ خواہش اُس کی ہوتی ہے کہ کیا مانگو کیا نہ مانگو اللہ دے دیتا ہے۔ لیکن جو حزب اللہ ہے ان کو تو اللہ استعمال کر رہا ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ کی مرضی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ تصوف میں ایک اصطلاح ہے کہ ''مردہ بدستِ زندہ''۔ جس کسی کو بھی مردہ نہلانے کا کبھی تجربہ ہوا ہو یا دیکھا ہو مردہ آدمی کو ادھر ادھر الٹنا پلٹنا کوئی مسئلہ ہی نہیں زندہ کو کروٹ بدلنا بڑا مسئلہ ہے اگر وہ اکڑ جائے تو۔ مردہ کے لئے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں کوئی آدمی ذرا سا ادھر کرے تو کروٹ بدل جائے گی۔ تو اسی طرح جو حزب اللہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی وہ اپنی مرضی نہیں کرتے تھے اللہ کا حکم! جی حاضر! بس ٹھیک ہے۔ اشارہ کرنا کافی تھا کہ اللہ کی رضا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہے بس

لوٹی نہیں تنہا کبھی آواز جرس کی
اور پھیرا نہیں کبھی فرمان جنوں کا

یہ جو نقشہ ہے صاف ظاہر ہے اگر بدرجہ اتم کہیں موجود ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں ہے۔

یہ ہیں تقرب الٰہی کے دو طریقے اور آج ہم تجزیہ کریں آپ بھی کریں میں بھی کر رہا ہوں۔ میرے نزدیک آج کے دور میں اللہ کا دین مغلوب ہے لہٰذا آج اگر تقربِ خداوندی حاصل کرنے کا کوئی ممکنہ طریقہ ہے وہ تقرب بالنوافل کا نہیں ہے جو تقرب بالنوافل کے ذریعے کر رہے ہیں یا تو انہوں نے یہ سوچا ہے کہ اللہ کا دین غالب ہے اور ہمیں آرام کرنا چاہیے یہ خود یہ ساری تشریح بتا رہی ہے کہ یہ سارے طریقے اُس دور میں نکلے جب اللہ کا دین غالب تھا خلافت راشدہ تھی اس سے ملحقہ بعد کا دور تھا اس وقت یہ طریقے نکلے۔ آپ ان کی ROOT تلاش کریں وہیں جا کر سارے ختم ہو جاتے ہیں اور وہ آج تک چلے آرہے ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ از سر تو ان کا احیا کیا جائے تقرب بالفرائض کے طریقہ کا احیا کیا جائے اور اس کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی جائے حزب اللہ بنا جائے اللہ کے دین کا جھنڈا اٹھایا جائے اپنی ذاتی اغراض ذاتی خواہش ذاتی AMBITIONS کاروباری ترقی، مکان اچھا بن جائے، یہ یہ اچھا ہو جائے سب دل سے نکال دیے جائیں وہ اللہ کے حوالے کر دیا جائے' اللہ خود تمہارے معاملات کا

تم سے بہتر محافظ ہوگا اور مجھے یقین ہے کہ بہتر ہوگا آپ کی خواہشات اور توقعات سے بھی بہتر کردے گا۔اپنے آپ کو صرف اللہ کے حوالے کر دیا جائے۔آج یہ ممکنہ طریقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے اس بات کی سمجھ اور پھر تقرب بالفرائض کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے لئے دُعا مانگنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پہلے تو دعا ہے پھر جذبہ ہے پھر شوق ہے پھر آگے سے آگے ہے۔تو دعا ہی پہلے مانگ لی جائے تو بڑی بات ہوتی ہے۔

اقول قولی هذا و استغفرالله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

مصادر

(1) عن انس بن مالك ﷺ ان رسول الله ﷺ خرج فرأى قبة مشرفة فقال ما هذه؟ قال له اصحابه هذه لفلان رجل من الانصار قال فسكت و حملها فى نفسه حتى اذا جاء صاحبها رسول الله ﷺ يسلم عليه فى الناس اعرض عنه صنع ذالك مرارا حتى عرف الرجل الغضب فيه و الاعراض عنه فشكا ذالك الى اصحابه فقال والله انى لأنكر رسول الله ﷺ قالوا خرج فرأى قبتك۔ قال: فرجع الرجل الى قبته فهدمها حتى سواها ــــــــــ فخرج رسول الله ﷺ ذات يوم فلم يرها قال ما فعلت القبة؟ قالوا شكا الينا صاحبها اعراضك عنه فاخبرنا ه فهدمها فقال اما ان كل بناء وبال على صاحبه يوم القيامة الا ما لا الا ما لا يعنى ما لا بد منه (سنن ابى داؤد)

(2) عن عائشة رضى الله عنها قالت مارأيت رسول الله ﷺ يصلى سبحة الضحى قط و انى لاسبحها و ان كان رسول الله ﷺ ليدع العمل و هو يحب ان يعمل به خشية ان يعمل به الناس فيفرض عليهم(صحيح مسلم)

غم پنہاں کہ بے گفتن عیاں است
چوں آید بر زباں یک داستان است
رہے پر پیچ و راہی خستہ و زار
چراغش مردہ و شب درمیان است اقبالؔ

20 قدآور شخصیات پر سیمیناروں کا سلسلہ 13

مسلم جرنیل، شیر میسور، برطانوی استعمار کے راستے کی چٹان

سلطان فتح علی ٹیپو شہید

انجینئر مختار فاروقی

اٹھارویں صدی کے پرآشوب زمانے میں سلطان حیدر علی والی میسور کے ہاں نومبر 1750ء میں پیدا ہوئے سلطان حیدر علی بھی ملت اسلامیہ کی بہی خواہی اور حفاظت کے لئے زندگی بھر برطانوی استعماری طاقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے لٹیروں سے لڑتا رہا اور سلطان فتح علی بھی باپ کے مشن کی تکمیل کے لئے برطانوی زعماء کے لئے ڈراؤنا خواب بنا رہا بالآخر انگریزوں کی عیاری اور ہندو کی مکاری کی وجہ سے بے دست و پا ہو کر 4 مئی 1799ء کو مردانہ وار شہادت کا جام نوش کیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن ؎
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اٹھارویں صدی کے ساتویں عشرے (1770ء۔1761ء) میں جنوبی ایشیاء میں حالات جس رُخ پر جا رہے تھے احمد شاہ ابدالی کے حملے کے نتیجے میں برپا ہونے والی پانی پت کی تیسری لڑائی میں مرہٹہ قوت کی شکست فاش سے یکسر بدل گئے۔ پہلے مرہٹہ قوت جنوبی ہند سے اٹھ کر مرکز دہلی پر قابض ہو کر پورے ہند پر حکومت کے خواب دیکھ رہی تھی جو پانی پت کے میدان میں ایک ہی ابدالی ضرب سے چکنا چور ہو گئے۔ اس سے مرہٹہ قوت پسپا ہو کر واپس جنوبی ہند تک محدود ہو گئی اس عمل کے کئی اثرات سامنے آئے جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

1۔ جنوبی ایشیاء کے مغربی علاقوں (حالیہ بلوچستان اور سندھ) میں علاقائی قوتوں اور سرداروں نے اپنی سلطنتیں قائم کر لیں۔ بلوچستان میں سرداری نظام مستحکم ہوتا گیا اور سندھ میں

کلہوڑوں اور تالپوروں کی حکومت آ گئی وہیں سے عباسی خاندان نے پنجاب میں قدم جمائے اور عباسی سلطنت کی بنیاد رکھی جو بعد میں ریاست بہاولپور کہلائی۔ موجودہ سرحد، پنجاب میں سکھ قوت سر اٹھا رہی تھی مگر مرہٹوں کی طاقت کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے دبی ہوئی تھی ——————

مرہٹہ قوت کے شکست کھا جانے کے بعد اور اس کی کاروائیاں صرف جنوبی ہند تک محدود ہو کر رہ جانے کی وجہ سے اب وہ ''خود مختار'' ہو کر سامنے آئی اور جلد ہی ایک ''سکھ حکومت'' قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی جو 1789ء سے 1846ء تک قائم رہی۔

2۔ ملک جس میں بالعموم سلطنت مغلیہ کے دور کے پنج ہزاری اور دس ہزاری منصب والے علاقائی سرداروں نے اپنے علاقوں میں اپنی سلطنتیں بنالیں اور مرکز سے برائے نام تعلق رہ گیا جو وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو گیا۔ حتیٰ کہ انگریز نے آ کر پورے ہندوستان پر قبضہ کیا تو یہ ساری ریاستیں اور علاقے انگریزی اقتدار کے زیر سایہ آ گئے۔ برطانوی سامراج کے اقتدار کے دوران ان ریاستوں کی تعداد 600 کے لگ بھگ تھی۔

3۔ ہندو مرہٹہ قوت نے مسلمانوں سے شکست کھا کر جنوبی ہند تک رہنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی حکمت عملی اب مسلمانوں سے براہ راست لڑائی کی بجائے اپنی قدیم چانکیہ سیاست کے مطابق انگریز کی ہمنوائی اور مدد کے ذریعے مسلمانوں کو زیر کرنے اور ان کے اقتدار ختم کو کرنے کا منصوبہ بنالیا۔

برطانوی سامراج 1753ء میں جنگ پلاسی میں سراج الدولہ کو میر جعفر کی سازشوں کے ذریعے شکست دے چکا تھا اس کو ہند میں اپنے مکروہ عزائم کی توسیع اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار وسیع کرنے کے لئے مزید غدّاروں کی ضرورت تھی جو مسلم اقتدار کے خلاف ان کا ساتھ دیں۔ ہندو مسلمانوں سے ویسے ہی بیر رکھتا تھا۔ لہٰذا مرہٹہ قوت نے موقع غنیمت جانتے ہوئے برطانوی سامراج کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

بنیادی طور پر ہندو ذہن کا یہ فیصلہ دراصل اور انتظار کرو WAIT AND SEE کی طرح کا تھا وہ پہلے مسلمانوں کے ماتحت تھا اب برطانوی سامراج کے ماتحت چلا گیا معاملہ صرف CHANGE OF MASTERS کا تھا بنیادی طور پر نوعیت کا فرق نہیں تھا۔

4۔ ہندو سیاست کے اصول یورپی استعماری قوت کے اصولوں سے بہت حد تک ہم آہنگ

تھے۔(اور آج بھی ہیں) لہٰذا اس دوستی کو فروغ ہوتا چلا گیا اور ہندو اپنے مفادات کے تحفظ کے ساتھ سامراج دوستی میں آگے بڑھتا چلا گیا جس سے اسے مفاد بھی مل رہے تھے اور ''مسلم دشمن'' پالیسی بھی کامیاب ہو رہی تھی کہ مسلم اقتدار کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ جس سے اس کے دل میں لگی انتقام کی آگ میں کمی سے انہیں سکون مل رہا تھا۔

5۔ ہندو ذہن کی اس مجموعی سوچ کے تحت ہی جنوبی ہند میں مرہٹوں نے سلطان حیدر علی اور سلطان فتح علی کے مراعات یافتہ رعایا ہوتے ہوئے بھی در پردہ برطانوی سامراج کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تا کہ الزام بھی نہ آئے اور مسلم اقتدار کا خاتمہ بھی ہو جائے نیز ———— مسلم اقتدار کے خاتمے پر سامراج سے مراعات بھی سمیٹی جا سکیں۔

اسی سازش کے تحت مرہٹہ قوت نے برطانوی استعمار کے ہاتھ مضبوط کئے نظام حیدر آباد نے بھی اپنے اقتدار کی ضمانت پر فوجی امداد دینے کا وعدہ کر لیا۔ ان حالات میں سلطان حیدر علی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے توسیعی عزائم اور ہند کے برطانوی سامراج کی غلامی میں جانے کے راستے کی مضبوط چٹان بنا ہوا تھا اور میسور کے کئی معرکوں میں برطانوی جرنیلوں کے دانت کھٹے کر چکا تھا۔ پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا سلطان حیدر علی کے مشن کا تذکرہ کئے بغیر اس کے فرزند سلطان فتح علی کے کارنامے اور اولوالعزمی اور شجاعت سامنے نہیں آ سکتی باپ کے اسی مشن کو اس نے آگے بڑھایا تھا۔

اٹھارویں صدی کے آخری عشروں تک برطانوی سامراج اپنے ہی ہم وطنوں فرانسیسی سامراج اور DUTCH سامراج سے نبرد آزما رہتا تھا اور یہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ اس کی سب سے نمایاں مثال تو 1780ء سے 1813ء تک کی برطانیہ اور فرانس کی مصر اور شمالی افریقہ کے علاقے ہیں، جنگیں ہیں۔ اسی چپقلش کا ایک باب وہ ہے جو جنوبی ہند میں کھلا ہوا تھا۔ فرانسیسی سامراج کی برطانیہ سے دشمنی واضح تھی۔ جنوبی ہند میں بنگال سے مغرب کی طرف ساحلی علاقوں پر فرانسیسی چھاونیاں تھیں اور فرانس کی ایسٹ انڈیا کمپنی قابض تھی۔ اور فطری طور اپنے عزائم کی توسیع کے لئے کوشاں بھی تھی۔

سیاست اور حکومت میں دشمن کا دشمن دوست بن جاتا ہے سلطان فتح علی نے اپنے باپ حیدر علی کی وفات (1782ء) پر جب اقتدار سنبھالا تو برطانوی سامراج سے فیصلہ کن معرکہ کے لئے فرانس سے فوجی مدد طلب کی اور اس میں کامیابی بھی ہوئی۔ سلطان فتح علی ٹیپو نے فرانس کے رہنما نپولین بونا پارٹ کو خط بھی لکھا اور سفارش بھی بھیجی کہ وہ ہندوستان آئے اور برطانوی سامراج کا راستہ روکے مگر 1790ء۔۔1800ء کا دور فرانس کے لئے خود بڑا ہنگامہ خیز تھا کہ اس عرصہ میں انقلاب فرانس کی وجہ سے خانہ جنگی اور شورشیں برپا تھیں۔ اور انقلاب کے استحکام کا عمل جاری تھا جو بالآخر 1800ء کے قریب کامیابی سے ہمکنار ہو گیا تاہم ان سالوں میں جب کہ سلطان فتح علی ٹیپو کو مدد کی ضرورت تھی فرانسیسی قیادت جنوبی ہند میں کسی بڑی کاروائی اور مدد کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ لہٰذا ——————— وعدے اور ارادے کے باوجود یہ منصوبہ روبعمل نہ آ سکا یعنی ؎

تا تریاق از عراق آوردہ شود
سگ گزیدہ در ایں مردہ شود

والی کیفیت پیدا ہو گئی۔

بچپن سے ہی ٹیپو جری، محنت کش اور صاحب لیاقت تھا۔ اسلامی علوم کے علاوہ عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی، اردو، تامل، کنٹری جیسی زبانوں پر جلد ہی عبور حاصل کر لیا تھا۔ نیز اس زمانے کے فنون سپہ گری، شمشیر زنی، تیر افگنی، نیزہ بازی، تفنگ اندازی اور تیرا کی وغیرہ میں کماحقہ مہارت حاصل کر لی تھی اور سن بلوغت کو پہنچتے پہنچتے ٹیپو سلطان حرب وضرب کے آداب اور رزم و پیکار کے انگریزی طریقوں سے بھی واقف ہو چکا تھا۔

انگریزوں کے خلاف محاذ آرائی ٹیپو سلطان کو ورثہ میں ملی تھی۔ اور سلطان کے کارناموں کا کماحقہ ادراک ممکن نہیں جب تک وہ جنگیں جو اس نے عہد جوانی میں اپنے والد کے دور حکومت میں بھی لڑیں تھی اور دشمنوں کو ہر دفعہ شکستوں سے دوچار کیا تھا ان کا تذکرہ نہ کیا جائے صاحب اسلامی انسائیکلوپیڈیا اس مرحلہ پر یوں رقم طراز ہیں۔

''1765ء میں ٹیپو سلطان فوجی زندگی میں پہلی بار ہمارے سامنے آتا ہے۔

جب وہ حیدرعلی خان کے ساتھ مالا بار پر حملہ آور ہوتا ہے۔ یہاں اس نے صرف دو تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ دشمن کے ایک بڑے لشکر کو حراست میں لے لیا جس پر حیدرعلی نے خوش ہوکر اسے اپنی محافظ فوج میں شامل کرلیا اور جاگیر عطا کی۔

19 جون 1767ء کو ٹیپو سلطان مدارس اور اس کے مضافات پر چھاپے مار رہا تھا۔اس وقت انگریز پہلی بار میسور میں حیدرعلی پر حملہ آور ہوئے تھے۔ یہاں سے وہ واپس لوٹتے ہوئے ترماپورا اور دانم باڑی کی تسخیر میں والد کا ہاتھ بٹاتا رہا۔نیز آ بنور کے محاصرے میں بھی شریک رہا۔

جب انگریزوں نے منگلور (بندر کوڑیال) پر قبضہ کرلیا۔تو ٹیپو سلطان کو ان کے مقابلے کے لئے بھیجا گیا۔اس کے پیچھے پیچھے حیدرعلی بھی وہاں پہنچا۔ یہاں انہوں نے عجب چال چلی۔ بیگار میں پکڑے ہوئے بیس ہزار افراد کو لکڑی کی بندوقیں دے کر ہزار ہزار کی ٹکڑی میں انگریزی توپ خانے کے سامنے کھڑا کر دیا۔اور خود ٹیپو سلطان مورچوں پر حملہ آور ہوا۔اس محاذ پر فتح یابی کے بعد حیدرعلی مدارس کی طرف روانہ ہوگیا اور 4۔اپریل 1769ء کو حکومت مدارس کو صلح نامہ لکھنے پر مجبور کر دیا۔اس سے دیسی ریاستوں میں کمپنی کا وقار گر گیا اور انہوں نے خود کو مضبوط اور مستحکم محسوس کیا۔حیدرعلی انگریزوں سے نمٹ کر واپس آیا تو مرہٹہ فوجیں ترمبک راؤ کی قیادت میں میسور کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں۔ساونور اور کڑپہ کے سردار بھی ان کے ساتھ تھے۔ اس مرحلے پر ٹیپو سلطان کو حکم ملا کہ وہ مرہٹوں کی رسد کو تباہ کرے۔ چنانچہ اس نے مرہٹوں کے عقب میں موجود تمام کنوؤں اور تالابوں میں زہر ڈلوا دیا اور کھیت روند ڈالے۔اب حیدرعلی نے بھی مرہٹوں کے عقب پر چھاپہ مارنا چاہا۔مرہٹوں کو اس کا علم ہوگیا اور انہوں نے پلٹ کر جنگ شروع کر دی۔مشیروں کی رائے کے خلاف حیدرعلی سرنگا پٹم کی طرف فرار ہوگیا۔اس افراتفری میں ٹیپو اپنے باپ سے جدا ہوگیا جس سے مرہٹوں نے فائدہ اٹھایا اور ٹیپو کی گرفتاری کا اعلان کر دیا جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی ٹیپو دو دن جانثاروں کے ساتھ بھیس بدل کر سرنگا پٹم پہنچ گیا اور دونوں باپ

بیٹا ایک ماہ تک وہاں محصور رہے۔ ترمبک راؤ تنتیسویں دن محاصرے سے تنگ آ گیا اور وہاں سے اٹھ کر تنجاور کی طرف چلا گیا۔ 1772ء میں مرہٹوں کے پیشوا مادھوراؤ کی وفات کے بعد دریا پونا کی اندرونی کشمکش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حیدرعلی نے دریائے تنگ بھدرا اور کرشنا کے درمیانی علاقے مرہٹوں سے چھین لئے۔ ان میں اکثر مہمات میں ٹیپو بھی شریک رہا۔

1780ء میں انگریزوں سے دوبارہ جنگ چھڑ گئی۔ حیدرعلی اور سلطان ٹیپو نوے ہزار فوج کے ساتھ کرناٹک جا پہنچے۔ انگریز سپہ سالار ہیکٹر مزد کانجی ورم پہنچ کر کرنل بیل کا انتظار کر رہا تھا، جو سامان رسد اسلحہ کے ساتھ گنتور سے آ رہا تھا ٹیپو سلطان کو بیلی پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ سلطان نے بیلی کو کانجی ورم سے پندرہ میل پرے بری طرح شکست دے کر قید کر لیا۔ بیلی کی شکست کے بعد اعتراف کیا گیا کہ یہ شدید ترین ضرب تھی۔ جو ہندوستان میں انگریزی قوت پر لگی عقب سے خبر ملی کہ انگریز فوجیں ساحل مالا بار پہنچ رہی ہیں۔ چنانچہ سلطان فوراً آ پلٹا اور ریال گھاٹ کا محاصرہ کر لیا انگریز اس کے پہنچنے سے پہلے ہی پال گھاٹ خالی کر کے پونانی پہنچ گئے۔ ٹیپو سلطان نے پونانی کا بھی محاصرہ کر لیا۔ مگر ابھی وہ حملہ نہ کر پایا تھا کہ حیدرعلی کے انتقال کی خبر ملی"۔

حیدرعلی کا انتقال اور سلطان ٹیپو کی تخت نشینی

صاحب اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے بقول!

"حیدرعلی کی 7 دسمبر 1782ء کو ٹیپو سلطان کو خبر ملی اور وہ اسی وقت روانہ ہو گیا۔ 25 دسمبر 1782ء کو وہ چکمور پہنچ گیا، جہاں اس کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا اس نے تمام ماتمی رسوم کی ممانعت کر دی اور 20 محرم 1197ھ 26 دسمبر کو خاموشی کے ساتھ مسند نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ تخت نشینی کے وقت ٹیپو سلطان کی سلطنت دکن میں شمالی طرف دریائے کرشنا، جنوبی سمت ریاست ٹراونکور، مشرق میں مشرقی گھاٹ اور مغرب میں ساحلی سمندر تک پھیلی ہوئی تھی۔ آبادی، زرخیزی اور حسن انتظام کی بدولت یہ ایک شاندار سلطنت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کے علاوہ مقامی ہمسائے مرہٹے اور نظام

حیدر اس علاقے کو ہتھیا لینے کی فکر میں تھے۔ مگر دوسری طرف اس علاقے کا فرمانروا ایک ایسا سلطان تھا۔ جو نہ صرف موروثی طور پر جری اور مجاہد تھا بلکہ دورِ شہزادگی میں بھی عزم و حوصلے اور تدبر کی داد لے چکا تھا''۔

عالمی برطانوی سامراج سے پنجہ آزمائی

جنوبی ہند کے مخصوص حالات، ہندوؤں اور نظام حیدرآباد کی ریشہ دوانیوں اور فرانس کی طرف سے خاموشی کے باوجود اس مردِ مجاہد نے تن تنہا برطانوی سامراج کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ وہ فیصلہ کتنا صحیح اور بروقت تھا عافیت گوشی اور دنیا پرستی کا راستہ وہ تھا جو ہندوؤں اور نظام نے اپنا لیا تھا مگر ——— مردانِ حر کی پرخطر راہ وہ تھی جس پر سلطان نے چلنے کا فیصلہ کیا تھا۔

جنگ پلاسی کے بعد چار عشروں میں انگریز نے جو ظلم و ستم بنگال میں مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا اس کی رپورٹیں سلطان کے پاس تھیں اور اس پر مسلمانوں کے مستقبل کو بھی قیاس کیا جا سکتا تھا۔ ہندو نے جلد ہی انگریز کی بے دام غلامی اور جی حضوری کا فیصلہ کر لیا تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ تجارتی مراسم پختہ طور پر استوار کر کے قومی سطح پر مفادات کے حصول میں لگ گیا تھا اور مسلمانوں کو ہندو خود بھی نیچا دکھانے کے ہتھکنڈے استعمال کر رہا تھا اور حکومتی و سیاسی سطح پر انگریز کی مدد کر کے مسلم اقتدار کو کمزور کر رہا تھا۔

اس موقع پر ہندو کا کردار ایک ''گھر کے بھیدی'' کا کردار تھا۔ مسلمان گزشتہ کئی صدیوں سے جنوبی ایشیاء کے علاقے کے بلا شرکت غیرے حکمران تھے اور ان کے اپنے رسم و رواج، ثقافت، طور طریقے اور مذہبی عبادات و رسومات تھیں۔ جس سے ہندو واقف تھا مسلمانوں کی کمزوریوں کا بھی ہندو کو علم تھا اس طرح ہندو کے برطانوی سامراج کی گود میں جا بیٹھنے کا مطلب مسلمانوں کے بارے میں ''گھر کا بھیدی'' کا کردار تھا جس کی وجہ سے انگریزوں کو ہند میں کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ جنوبی ایشیاء پر برطانوی سامراج کے تسلّط کی وجوہات میں مسلمانوں کی سیاسی، عسکری غلطیاں، باہمی اختلافات اور عیش و عشرت کا در آنا بھی تھا مگر انگریزی اقتدار کی

مسلسل اور تیز رفتار کامیابیوں میں ''گھر کے بھیدی'' کے ''لنکا ڈھانے'' کی نفسیات بنیادی وجہ تھی۔

بنگال میں اقتدار حاصل کرتے ہی یورپی مصنوعات کی بھرمار ہوگئی مگر کئی صنعتوں بالخصوص کپڑے کی صنعت میں برطانوی مصنوعات نہایت ردی قسم کی تھیں۔ جبکہ مقامی کپڑے کی صنعت جس میں مسلمان پیش پیش تھے، ڈھاکہ ململ اور اطلس وکمخواب کے دلکش نمونے جو امراء اور بادشاہوں کے استعمال میں آتے تھے زیادہ تر یہیں بنتے تھے ـــــــــــــ تاہم انگریز نے ظالمانہ طریقے پر اپنے مال کی فروخت کی خاطر مقامی صنعت کا بھٹہ بٹھا دیا اور کوئی معروف کاروباری طریقہ استعمال نہیں کیا بلکہ مسلمان کاریگروں کو گرفتار کر کے مختلف جرائم میں سزا کے طور پر ان کے ہاتھ انگوٹھے کٹوا دیئے جس سے وہ کام کے قابل نہ رہے اور یوں یہ صنعت پارچہ بافی دو تین دہائیوں میں دم توڑ گئی یہ ظالمانہ کاروائیاں یورپی انداز حکمرانی میں رومی سلطنت سے ورثہ میں آیا تھا جس کے لئے سیموئل پی ہنٹنگٹن نے اپنی کتاب ''تہذیبوں کا تصادم'' میں تسلیم کیا ہے کہ جنوبی تہذیب کا غلبہ رومی تشدد اور دشمنوں پر بے رحمانہ (گوانتانا موبے جیل کی طرح کے) مظالم کا مرہون تھا چنانچہ:-

''ــــــــ 1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومدار ان کی جنگی استعداد میں اضافہ تھا۔ جس کو فوجی انقلاب کا نام دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس وجہ سے فتح کیا کہ منظم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کر سکتے۔'' (ترجمہ تلخیص عبدالمجید طاہر، صفحہ 42)

اس پس منظر میں مسلمانوں کی بقا کی جنگ جس مرد مجاہد نے مردانہ وار لڑی ہے وہ یہی سلطان فتح علی ٹیپو ہی ہے جب کہ برطانوی سامراج اور اس کے گماشتوں نے ہمیشہ سازشوں، لالچ، جھوٹے وعدوں اور مستقبل کی حکمرانی کے جھوٹے خواب دکھا کر ہی لوگوں کو ساتھ ملایا ہے اور

کامیابیاں حاصل کیں ہیں۔

برطانوی سامراج کے پس پردہ
صہیونی قوت اور منصوبہ بندی

مغربی سامراج کا نمائندہ انگلستان جو بعد میں برطانیہ یا UK کہلایا دراصل ایک صہیونی منصوبہ اور ابلیسی قوت کے غیر انسانی رویوں پر مشتمل ایک پروگرام کا نام تھا جو صہیونی منصوبہ سازوں نے بڑی باریک بینی کے ساتھ ترتیب دیا تھا۔ دنیا بھر کی تمام خفیہ تنظیموں کا سرا دراصل اسی ابلیسی صہیونی قوت سے جا ملتا ہے۔

THE SECRET SOCIETIES OF THE WORLD ـــــاورـــــ THE PAWNS OF THE GAME نامی کتابیں دنیا کی مسلم اور مسیحی تاریخ میں اسی صہیونی کردار سے پردہ اٹھاتی ہیں مسلمانوں میں تمام باطنی فرقے جنہوں نے پہلی صدی ہجری سے آج تک سر اٹھایا ہے وہ اسی ڈرامے کا کردار ہیں جس کے تحت اسلام کی تعلیمات کو چھپانا، پیغمبر اسلام ﷺ کی کردار کشی کرنا اور مسلمانوں کے دل سے اسلام اور حضرت محمد ﷺ کی محبت اور عشق کو نکال دینا اس کے اہداف ہیں۔ پہلے کبھی حسن بن صباح تھا، فاطمی حکومت تھی، اسماعیلی تھے اور دورِ جدید میں قادیانی ہیں، لاہوری ہیں، گوہر شاہی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ابلیس اپنے چیلنج کے مطابق اولادِ آدم علیہ السلام کو گمراہ اور 'بے لباس' کرنے یعنی عریانیت اور حیوانیت کی طرف لانے کے لئے قوت و اقتدار کا خواہاں تھا اور اسلام کی تعلیمات کو پس پردہ لے جانا اس کی کامیابی کی شرط تھی۔ اس منصوبہ پر اس نے گزشتہ دو ہزار سال سے عمل کیا ہے۔

مسلمانوں کے دورِ عروج میں 1097ء میں بیت المقدس کی عیسائیوں کو واپسی پر یہودی بڑے خوش تھے۔ تاہم 1190ء کے لگ بھگ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں بیت المقدس کے واپس مسلمانوں کے پاس چلے جانے سے اس صہیونی تحریک کو بڑا دھچکا لگا لیکن اس نے ہار نہیں مانی بلکہ میدانِ جنگ بدل لیا۔ اب اس نے مسلمانوں کے اندر اپنے ہم خیال باطنی فرقے پیدا کرنے اور ان کی سرپرستی کے ساتھ ساتھ سیاسی اور فوجی قوت کے حصول کے لئے عیسائیوں پر پورا بھروسہ کرنے کی بجائے ایک اپنی قوت کھڑی کرنے کا منصوبہ بنایا اور آج کی

ساری صہیونی کامیابیاں اسی منصوبہ کے مختلف مراحل ہیں اور آئندہ کے مراحل کا پتہ دیتی ہیں۔

اس کے اہم واقعات یہ ہیں۔

☆ صہیونیت نے بیت المقدس کی واپسی کے بعد یورپ عیسائیت سے مایوس ہوکر مذہب کے نام پر مذہب سے آزاد اور مذہب بیزار گروہ پیدا کرنے کے لئے راہ ہموار کرنا شروع کردی۔

☆ اس کام کے لئے ویسے تو پورا مسیحی یورپ ہی یہود کے لئے چراگاہ ثابت ہوا تاہم برطانیہ کی سرزمین اور وہاں کی سماجی معاشرتی اور جغرافیائی حیثیت اس منصوبے کے لئے نہایت سازگار رہی۔

☆ مذہبی عیسائی اور مسلمان ــــــــــــــ یہودیت اور اس کے منصوبوں کو جلد ہی پہچانتے رہے ہیں اسی لئے صہیونیت نے اپنی بقا اور منصوبوں کی کامیابی کے لئے فضا ہموار رکھنے کی غرض سے غیر مذہبی ذہن اور سیکولر سوچ کا آغاز کیا۔

چنانچہ 1215ء میں انگلستان میں حقوق انسانی کی آواز اٹھائی گئی اور ہر انسان کو بلالحاظ مذہب وملت، رنگ ونسل زندہ رہنے اور اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی کا نعرہ لگایا گیا بظاہر یہ نعرہ بڑا سادہ اور پرکشش بھی تھا مگر بدنیت گروہ اور شیطان کے لئے اس میں کامیابی کی نوید تھی۔

☆ 1225ء میں انگلستان میں ہی شاہِ انگلستان کے ذریعے انسانی حقوق کے لئے ایک جامع فرمان جاری کرایا گیا جو بعد میں حقوق انسانی کا شاہکار MAGNA CARTA کہلایا اور اسے مستقبل کی تمام کامیابیوں کا شاہدرہ سمجھا گیا۔

☆ مسیحیت کے اندر ہی پوپ کے بے پناہ 'خدائی' اختیارات کو چیلنج کردیا گیا اور انسانی حقوق اور آزادی رائے کے خلاف قرار دے کر ایک تحریک کا آغاز کردیا گیا جس میں دھوکے سے باضمیر اور بہت سے انسان دوست لوگوں نے قربانیاں دیں اور اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کیا تاہم اس خوبصورت آزادی رائے اور آزادی مذہب کے نعرے سے فائدہ صرف صہیونیت نے اٹھایا اور آج تک اٹھا رہی ہے۔

☆ چنانچہ مسیحیت کے اندر کیتھولک کے مقابلے میں پوپ سے آزاد اور مسیحی ہوتے ہوئے

بھی ـــــــــ خیالات ونظریات سے لے کرعملی زندگی تک ’آزادی‘ اور ’آزادخیالی‘ کو جواز مل گیا اوراس ’آزادی‘ کی آڑ میں دراصل اختیار صہیونی منصوبہ سازوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔اس فرقے کا نام "PROTESTANTS" رکھا گیا اوراس کاتعلق بائبل سے صرف نام کی حد تک رہ گیا اور آسمانی وحی اور فرمودات پیغمبر علیہ السلام کا عمل دخل ختم ہوگیا یہ تعلق صرف مسیحی کہلوانے کے لئے باقی رکھا گیا۔

☆ ’آزادخیالی‘ جسے بعد میں ’روشن خیالی‘ کا دل خوش کن نام دیا گیا‘ کی آڑ میں صہیونی منصوبہ سازوں نے ’سود‘ کو جائز کرلیا۔اورآسمانی وحی کے حامل تینوں مذاہب کی تعلیمات کے برعکس (اسلام، یہودیت اورعیسائیت میں سود USURY حرام ہے)طرزعمل اختیار کرلیا۔

☆ چنانچہ 1545ء میں اس ابلیسی تحریک کےمنصوبہ سازوں نے پہلا بنک (معاشی حرام کاری کا اڈہ) بنک آف انگلینڈ کے نام سے قائم کیا۔اس سے پہلے کاغذی نوٹ (PAPER CURRENCY) آچکا تھا لہٰذا بنک کے کام کوجلد ہی فروغ حاصل ہوگیا اوراس کی شاخیں ہر جگہ کھلنے لگیں۔

☆ سترھویں صدی میں امریکہ فرانس وغیرہ میں جمہوری تحریکیں چلیں جس کے نتیجے میں انسان کوجمہوری حقوق تو مل گئے مگراس کی آڑ میں دراصل فائدہ صہیونی تحریک کوہوا جس نے اس موقع پر ریاست اور مذہب کوعلیحدہ کردیا گیا اورریاستی معاملات میں مذہب کاعمل دخل کم کردیا گیا جو بالآخر بیسویں صدی میں آ کر یکسر ختم ہوگیا اورسیکولرازم کا دورعروج پرپہنچ گیا۔

☆ مسیحیت میں پوپ کے اختیارات اور تثلیث کے عقیدہ کی شدت نے سائنس اور سائنسی تحقیق کا راستہ روکا۔فلکیات کے شعبہ میں ترقی سے مذہبی تصورات پر زد پڑی، آکسیجن کی دریافت سے آگ کے بارے میں تصورات بدل گئے جس پر تثلیث کے علمبرداروں نے سخت سزائیں دیں جس سے آہستہ آہستہ تحقیق کا شعبہ بھی مذہب سے بیزار ہوگیا اورریاست ومذہب کی علیحدگی کے بعد سائنس وتحقیق کا شعبہ بھی مذہب سے کٹ کرالگ ہوگیا اور یوں سیکولر بنیادوں پر ریاست اورسائنس کی بنیاد استوار ہوگئی۔

مسیحی مذہب یعنی تثلیث کے زہریلے اثرات کی وجہ سے ریاست مذہب سے علیحدہ

ہوئی تو اس خلا کو رومن لا اور رومی طرز حکومت نے پُر کیا۔ رومی طرز حکومت بڑا ظالمانہ بلکہ بے رحمانہ تھا جس کی وجہ سے مغربی استعمار کی بالادستی ہوگئی۔ جبکہ قانون سازی کی بنیاد اور انسان کے لئے ماورائی تصورات کے لئے مذہب کی جگہ یونانی فلسفہ نے لے لی۔

اس طرح آج کی مغربی فکر کی بنیاد مذہب دشمنی پر استوار ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی رومی قانون، رومی طرز حکومت وعدالت ہے یونانی فلسفہ ہے جس کے نمائندے ارسطو وغیرہ تھے۔

مغربی فکر کی بنیادیں سترھویں صدی تک بہت پختہ ہو چکی تھیں اگر چہ بعد میں اس میں وقت کے ساتھ ساتھ 'آزادی' اور 'روشن خیالی' کے نام پر 'حیوانیت' آتی چلی گئی اور 'انسان' اشرف المخلوقات کے مقام سے اسفل السافلین کی طرف لڑھکتا چلا گیا تاآنکہ آج اکیسویں صدی کا مغرب VALUELESS اور MORALIES معاشرہ ہے اور اخلاقی اقدار سے آزادی اس کا نعرہ ہے۔

☆ اٹھارویں صدی کے آخر تک یورپ میں اس فکر کے ساتھ سائنسی ترقی ہوئی اور صنعتی انقلاب آیا تو یورپی اقوام نے دنیا بھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور یوری اقوام نے تمام خشکی وتری، بحروبر پر قبضہ جما لیا۔ تاہم انسانی فطرت ہے جس کو بدلا نہیں جا سکتا۔ یورپی اقوام نے مختلف مقبوضات پر قبضے کے لئے چھینا جھپٹی کی اور جنگوں تک نوبت آ گئی شمالی افریقہ میں مصر پر قبضے کے لئے فرانس اور انگلینڈ کی جنگیں اسی کا شاخسانہ تھیں۔

☆ اس سارے کھیل میں تھوڑا نقصان اٹھا کر بھی صہیونی منصوبہ سازوں کو انگلستان (برطانیہ) کو بالادستی دلانے کا موقع مل گیا۔

صہیونی منصوبہ سازوں کے دو اہم اقدامات

یورپی اقوام جو صہیونیت کے مہرے تھے' کی آپس کی جنگوں سے اس طویل منصوبہ کی ناکامی کا خدشہ تھا لہٰذا فطری آزادی اور اقتصادیات کے میدان میں OPEN MARKET اور HEALTHY COMPETETION کے بجائے MONOPOLY کا اصول اپنا لیا گیا۔ تاکہ دیگر اقوام عالم کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جا سکے۔ یہ اقدام اقوام عالم کے لئے تاریخ کا ایک

سیاہ دن تھا جس کے بعد سے آج تک مغربی اقوام بلا شرکت غیرے پوری تیسری دنیا کا خون نچوڑ کر پی رہی ہیں اوران کے وسائل رزق کا بڑا حصہ اپنے ملکوں میں لے جاتی ہیں۔

چنانچہ صہیونی دماغوں نے دو اہم اقدامات کیے۔

☆ پہلا فیصلہ یہ کیا گیا کہ یورپی اقوام مقبوضات پر آپس میں جنگ نہیں کریں گے بلکہ یہ فیصلے پوپ کے ذریعے ہوں گے اور وہ سب کو قبول کرنا ہوں گے۔ جس کے تحت یورپی اقوام کی آپس کی خانہ جنگی ختم ہوگئی اوراس وقت تک برطانوی سامراج چونکہ ایک واضح بالادستی حاصل کر چکا تھالہٰذا ملکہ برطانیہ اور چرچ آف انگلینڈ بہت طاقتوراور مستحکم ادارے بن گئے۔

☆ دوسرا فیصلہ یہ ہوا کہ ———— اقتصادی میدان میں اگر یورپی اقوام اپنی اپنی مصنوعات کھلی مارکیٹ میں فروخت کرتی رہیں تو اس طرح صحت مند مقابلے کی کیفیت سے منافع خوری کم ہوگی اور فائدہ تیسری دنیا کو ہوگا جو یہودی اورابلیسی ذہن کو کسی صورت گوارانہیں تھا اور نہ اب ہے اس لئے کہ وہ جلدی منافع جمع کر کے اپنے شیطانی منصوبوں کی تکمیل چاہتا تھا۔ لہٰذا ———— یہ طے کیا گیا کہ یورپی اقوام میں اس وقت کی قوت وحیثیت کے مطابق مختلف مصنوعات کو مختلف ملکوں کو الاٹ کر دیا گیا۔ مثلاً فرانس خوشبویات اور آرائشی شیشہ کی مصنوعات بناتا ہے، بلجیم عمارتی شیشہ بناتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس سے یورپی مصنوعات کا یورپی اقوام میں مقابلہ نہیں ہوگا بلکہ وہ اپنی سائنسی ترقی کی بنیاد پر منہ مانگے دام وصول کرسکیں گی (بعد میں یہ تقسیم دن بدن گہری ہوتی چلی گئی اور مختلف مصنوعات کوئی ایک یورپی ملک بناتا ہے اور دوسرا نہیں بناتا مثلاً دل کے امراض کے مہنگے انجکشن صرف ڈنمارک بناتا ہے گزشتہ سالوں میں حضرت محمد ﷺ کی توہین کرتے ہوئے ڈنمارک میں جو کارٹون شائع ہوئے اور ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ ہوا تو چند دنوں میں دل کے مریضوں کے آپریشن کے لئے ادویات ناپید ہوگئیں اور بالآخر مجبوراً وہ بائیکاٹ ختم کرنا پڑا۔)

ان دو اقدامات سے یورپی اقوام کو استحکام ملا اور برطانوی سامراج کی عالمی بالادستی مضبوط ہوگئی اور باقی یورپی اقوام اس صہیونی منصوبہ کے مہرے بن گئے جو کسی وقت بھی کام میں لائے جاسکتے ہیں۔

یہ باتیں آج زبان زدِ عام ہیں اٹھارویں صدی کے اختتام پر صرف یورپی بالادستی، ظلم وتشدد اور بے انصافیوں کے پس منظر میں یورپی غلبہ کے 'عنوان' سے اور مسلمانوں کے غیر مسلم اقوام کے ہاتھوں غلام ہونے کے خدشہ کے طور پر سوچی جاسکتی تھیں۔ تاہم اس دیو استبداد ــــــــــ برطانوی سامراج اور صہیونی منصوبہ ــــــــــ کا جس مرد مجاہد نے مردانہ وار مقابلہ کیا ہے وہ ٹیپو سلطان ہے اور یقیناً وہ برطانوی سامراج کے سیلاب کے سامنے آخری چٹان ہی ثابت ہوا۔

سلطان ٹیپو نے باپ کے انتقال کے بعد جو مہمات برپا کیں ان کی تفصیلات اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے مطابق درج ذیل ہیں:

حکومت سنبھالتے ہی ٹیپو سلطان نے سب سے پہلا کام اپنی فوج کو منظّم کرنے کا کیا۔ اس نے باقاعدہ رجمنٹیں مقرر کیں اور ماہوار تنخواہ مقرر کر دی۔ اس سے پہلے ہندوستان میں ماہوار تنخواہ کا تصور بھی نہیں تھا اس نے فرانسیسی افسروں کی خدمات حاصل کیں تاکہ فوج کو یورپی نمونے پر منظّم کیا جاسکے۔ عام روایت کے مطابق ٹیپو سلطان کی باقاعدہ فوج ایک لاکھ کے قریب تھی۔

انگریزوں نے جنرل میتھوز کی سرکردگی میں از سر نو مالابار پر حملہ کر دیا اور بڈنور کے حاکم ایاز خان نے نہ صرف شہر وقلعہ بلکہ پورا صوبہ بڈنور اس شرط پر انگریزوں کے حوالے کر دیا کہ اس کی حکومت بدستور اسی کی تحویل میں رکھی جائے۔ سلطان کو خبر ہوئی تو اس نے لطف علی بیگ کو دفاع کی غرض سے بھیجا۔ اس وقت تک انگریز ایاز خان سے سمجھوتے کے مطابق بڑے علاقے پر قابض ہو چکے تھے۔ لطف علی بیگ نے باقی علاقے کو بچانے کی کوشش کی لیکن انگریزوں کی قوم کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ فتح کے بعد انگریزوں نے وہاں انتہائی دردناک مظالم روا رکھے۔

یہ خبریں سلطان تک پہنچیں تو وہ بگولے کی طرح اٹھا اور انگریزوں پر چھا گیا اس نے ایک ہی حملے میں بڈنور پر قبضہ کر لیا۔ یہاں وہ بنگلور پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ انگریز جنرل کیمبل نے 2 اگست 1783ء کو صلح نامہ پر دستخط کر دیے۔ ہر طرف سے شکست و ہزیمت اٹھا کر انگریزوں نے میسور میں سازشوں کا آغاز کر دیا۔ سرنگا پٹم میں ہندو راجا کو گدی پر بٹھانے کی سازش کرائی گئی۔ لیکن ٹیپو سلطان کی تدبیروں کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور نتیجہ 11 مارچ کو انگریزوں اور

سلطان کے مابین ایک معاہدے پر دستخط ہوگئے۔ جس کی رو سے فریقین نے مفتوحہ علاقے واپس کر دیے اور اسیران جنگ چھوڑ دیئے۔ انگریزوں سے فارغ ہو کر سلطان نے مرہٹوں اور نظام کے ساتھ اتحاد کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ادھر نظام اور مرہٹوں کے درمیان اس امر پر اتفاق ہوگیا کہ میسور کی سابقہ ریاست چھوڑ کر باقی تمام سلطانی مقبوضات کو چھین کر باہم تقسیم کرلیا جائے۔ ایک جھڑپ کے بعد دونوں فروری 1787ء میں سلطان کے ساتھ صلح کر لینے پر مجبور ہوگئے۔ طے پایا کہ دونوں طاقتیں انگریزوں کے خلاف سلطان کو مدد دیں گی۔

اسی زمانے میں سلطان نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا' جسے دونوں ہمسایہ ممالک نے تسلیم کیا۔ خطبے میں مغل حکمران کی جگہ اپنا نام شامل کرایا۔ نیا روپیہ جاری کیا۔ انتظامی معاملات درست کئے۔ نیا آئین حکومت نافذ کیا۔ سرنگا پٹم میں مسجد اعلیٰ کی تعمیر اختتام کو پہنچی۔ سن ہجری کی جگہ سن محمدی جاری کیا جو آغاز نبوت سے شروع ہوتا تھا۔ مہینوں کے نئے نام رکھے اور ملک بھر میں مختلف صنعتیں جاری کروائیں سلطان نے فرانس کے دستور جمہوریت سے متاثر ہو کر اس کا عملی نفاذ اپنے ہاں بھی کرنا چاہا اور دفاعی اور خارجی امور کے علاوہ دیگر تمام تر اختیارات مجلس وزراء کو سونپ دیئے۔ جس کا میر (وزیر اعلیٰ) یعنی صدر الصدور میر صادق کو بنایا۔

1784ء میں سلطان نے عثمان خاں کو سفیر بنا کر قسطنطنیہ بھیجا تھا۔ وہاں سے حوصلہ افزا جواب آیا تو غلام علی خان لنگڑے، شاہ نور اللہ، لطف علی بیگ اور محمد حنیف کو ایک سفارت پر روانہ کیا۔ جسے قسطنطنیہ کے بعد فرانس اور پھر انگلستان بھی جانا تھا مگر یہ سفارت صرف ترکی ہی سے واپس لوٹ آئی۔ سلطان ترکی نے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ٹیپو سلطان کے لئے پروانہ سلطان بھجوایا۔ اسی طرح سلطان نے کریم خاں زند، حاکم ایران، زمان شاہ درانی حاکم افغانستان اور شاہ فرانس کے پاس بھی الگ الگ سفارتیں بھجوائیں۔

اس وقت لارڈ کارنوالس گورنر جنرل بن کر ہندوستان آیا۔ اس نے آتے ہی تمام معاہدوں سے انحراف کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ ٹیپو سلطان کو شکست دیے بغیر انگریزی حکومت قائم کرنے کے خواب کی تعبیر حاصل کرنا ممکن نہیں۔ مگر فوجی وعددی برتری کے باوجود ابھی تک وہ سلطان کو شکست سے آشنا نہ کر سکتے تھے۔ یہ دیکھ کر کارنوالس نے سازشوں کا

ایک جال بچھانا شروع کر دیا۔

مرہٹوں اور نظام کے ساتھ انگریزوں کی گفت وشنید جاری تھی کہ ٹراونکور کے راجہ نے انگریزوں کی شہ پر سلطانی علاقے کوچین پر قبضہ کرلیا۔اسی دوران میں ٹراونکور نے دلندیزیوں سے دو قلعے جیا کوٹہ اور کرنگا نور خرید لئے جو دفاعی لحاظ سے میسور کی سرحد پر اہم حیثیت رکھتے تھے۔ کارنوالس نے اس سودے پر ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا تھا۔اور دلندیزی گورنر نے بھی اس میں اپنی عدم واقفیت کا اظہار کیا۔ان حالات میں 14/اگست 1789ء کو جب سلطان نے اپنی سرحدوں کا جائزہ کیا۔تو اس نے ایک خط راجہ کو لکھا کہ دونوں قلعے اسے واپس دے دیئے جائیں نیز کوچین کا علاقہ بھی واپس کر دیا جائے راجہ کے غیر ذمہ دارانہ جواب پر سلطان نے اس کی گوشمالی کرنے کے لئے کچھ فوج بھیجی جس کے ساتھ راجہ کی فوجوں کی چھوٹی سی جھڑپ ہوئی۔

جولائی 1790ء میں مدارس کے گورنر نے کارنوالس کی ہدایت کے مطابق سلطان کو لکھا کہ جھگڑے کے تصفیے کے لئے کمشنر مقرر کئے جائیں۔سلطان نے اتفاق کیا اور کہا کہ بہتر ہے کمشنر اس کے پاس بھیج دیئے جائیں جب میڈوز گورنر بنا تو اس نے کمشنر سے انکار کر دیا۔سلطان نے اپنے سفیر بھیجنا چاہے تو اسے بھی نہ مانا اور کہلا بھیجا کہ صلح چاہیے ہو تو تاوان ادا کرو۔

بعد کے واقعات کچھ بھی ہوئے یہ حقیقت ہے کہ انگریزوں نے ٹراونکور کے واقعہ کو بہانہ بنا کر تیسری بار میسور پر حملہ کر دیا۔ابتدا میں جنرل میڈوز نے فوج کی کمان سنبھالی۔اس نے جنوبی سمت سے میسور پر حملہ کر دیا۔مئی سے دسمبر 1790ء تک اس کے حملے ناکام رہے۔فروری 1791ء میں کارنوالس نے کمان سنبھالی اور سیدھا بنگلور کی طرف بڑھا سلطانی فوج مدافعت میں ناکام رہی اور کارنوالس نے بنگلور کو فتح کرنے کے بعد مئی 1791ء میں سرنگا پٹم کا محاصرہ کرلیا۔ مگر چیچک پھوٹ پڑنے کی وجہ سے محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ابھی کارنوالس محاصرہ اٹھا کر پلٹا ہی تھا کہ مرہٹے اس کی مدد کو آ گئے۔اور یوں فروری 1792ء میں اس نے دوبارہ سرنگا پٹم کا محاصرہ کرلیا۔سامان رسد کی موجودگی میں اسے محاصرہ کی طوالت کا کوئی خوف نہ تھا۔ادھر سلطانی فوج ہر قسم کی کمک سے محروم ہو چکی تھی۔یہ وہ وقت تھا جب انگریز چاہتے تو سلطنت میسور کا خاتمہ کر سکتے تھے۔مگر ٹیپو سلطان کا دبدبہ ان پر اس قدر طاری ہو چکا تھا کہ مسلمان کو مصالحت کا پابند بنانے ہی

میں عافیت سمجھی اس مصالحت میں طے پایا کہ:۔

1۔سلطان نصف سلطنت اتحادیوں (انگریز،مرہٹے اور نظام) کے حوالے کر دے۔

2۔تین کروڑ تیس لاکھ پگوڈے کی رقم تاوان دے۔اس میں سے ایک کروڑ پینسٹھ لاکھ کی رقم فوراًادا کی جائے اور باقی رقم جلد از جلد ادا کر دی جائے۔

3۔تمام اسیران جنگ رہا کر دیے جائیں۔

4۔معاہدے کی شرطیں پوری ہونے تک سلطان کے دو بیٹے بطور یرغمال اتحادیوں کے پاس رہیں۔

اس معاہدے سے سلطان پر سیاسی،معاشی اور انتظامی طور پر سخت ضرب لگی۔اندازہ لگانے کی بات ہے کہ جس ملک کا مالیہ اڑھائی کروڑ ہو،وہ نصف ملک بھی ہاتھ دے اور تین کروڑ سے زیادہ تاوان بھی دے۔اس کی معاشی حالت کیسی ہو جائے گی۔اس کے باوجود سلطان نے ہمت نہ ہاری۔اس کی الوالعزمی میں کوئی فرق نہ آیا اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ جفاکشی کے ساتھ انتظام سلطنت میں لگ گیا سرکشوں کو سزا دی۔وفاداروں سے حلف لیا۔زراعت کی حوصلہ افزائی کی اور فوج کو از سر نو مستحکم کیا اور صرف پانچ ہی برس کی انتھک محنت سے ملکی معیشت کو سنبھالا دے دیا۔

اس دوران میں سلطان کی سیاسی اور فوجی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔تجارت اور صنعت کے علاوہ اس نے فرانس کے ساتھ کئی فوجی معاہدے بھی کئے۔اس وقت نپولین مصر فتح کر چکا تھا۔اس نے جو خط ٹیپو سلطان کو لکھے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایران کے راستے ہندوستان آنا چاہتا تھا کہ یہاں انگریزوں سے نمٹ سکے۔اس خط سے انگریز بھی آگاہ تھے۔ابتدا میں تو وہ خاموش رہے مگر جب مرہٹوں اور نظام کی طرف سے انھیں مکمل معاونت کا یقین ہو گیا تو انگریز گورنر ولزلی نے سلطان کو تہدید آمیز خطوط لکھنے شروع کئے۔

سلطان کی دور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت ختم ہونے والی ہے۔مسلمان آپس کی سر پھٹول کے باعث کمزور ہو چکے تھے۔اور سات سمندر پار کی ایک قوم اپنے پنجے اس سرزمین میں گاڑ رہی ہے۔اگر اس قوم کا مقابلہ نہ کیا گیا تو بہت جلد ہندوستان جیسا زرخیز علاقہ انگریزوں کے قبضے میں چلا جائے گا جو یہاں سے دولت کو ہر روپ میں انگلستان پہنچا

دیں گے مگر افسوس کہ سلطان اپنے محل اور دربار میں ہونے والی سازشوں کو نہ سمجھ سکا۔ بزعم خود اس نے فرانسیسی طرز کی جمہوریت کی نیو ڈال دی۔ مگر یہ نہ دیکھا کہ یہ زمین بھی موزوں ہے یا نہیں۔ میر صادق، پورنیا اور قمر الدین خاں جیسے وزراء اختیارات کو ناجائز طور پر استعمال کر رہے تھے۔ وہ فوری فوائد کے لالچ میں درپردہ انگریزوں سے ملے ہوئے تھے اور حکومت ومناصب کے بڑے بڑے عہدوں کی امید میں سلطان کا ہر راز ان تک پہنچا دیتے تھے۔ جب سلطان کے دل میں ان سازشوں کے متعلق شکوک نے جگہ گھیری تو اس نے تمام عہدہ داروں کو مسجد اعلیٰ سرنگا پٹم میں بلا کر وفاداری اور ایمانداری کا حلف لیا۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا انگریزوں کی سازشیں عروج پر پہنچ چکی تھی۔ اور دلزلی سلطان کو جنگ کی دھمکی دے چکا تھا جولائی 1798ء میں جنرل ہارس نے پیش قدمی شروع کردی۔ 22/ اپریل 1799ء کو اس نے سرنگا پٹم پر گولہ باری سے پیشتر مصالحت کا ایک مسودہ سلطان کی خدمت میں دستخط کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جس میں انتہائی ذلت آمیز شرائط درج تھیں۔ یعنی نصف سلطنت چھوڑ دی جائے۔ دو کروڑ تاوان دیا جائے۔ جس میں سے ایک کروڑ فوراً ادا کیا جائے۔ چار بیٹے اور چار جرنیل بطور یرغمال دیئے جائیں۔ یہ جواب چوبیس گھنٹے کے اندر مانگا گیا تھا۔

سلطان ایسی ذلت آمیز شرائط پر صلح نہ کرسکتا تھا۔ اس کا مقولہ تھا کہ ''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے'' امید افزا جواب نہ ملنے پر جنرل ہیرس نے قلعہ پر گولہ باری شروع کرادی۔ سلطانی افواج نے اس گولہ باری کا پوری مستعدی سے جواب دیا۔ مگر سلطانی وزراء غداری کی قسم کھائے بیٹھے تھے انہوں نے گولہ بارود میں مٹی اور سن ملوادیا۔

4/ مئی کی صبح انگریزی فوج سرنگا پٹم کے گرد موجود دریائے کاویری کا دو سو گز پاٹ پار کر کے فصیل کے ایک شگاف پر حملہ کیا۔ سلطان نے خود وہاں دفاعی فوج متعین کی تھی۔ مگر عین اس وقت پورنیا نے محافظ فوج کو تنخواہ تقسیم کرنے کے بہانے بلالیا۔ یوں انگریز فوج بلا تکلف اندر داخل ہوگئی۔ دوپہر کا وقت تھا ٹیپو سلطان مورچوں پر سے چکر لگا کر سائبان تلے آکر بیٹھا تھا کھانا سامنے دھرا تھا۔ ابھی لقمہ اٹھایا ہی تھا کہ ایک جان نثار سید غفار کے شہید ہونے کی اطلاع ملی پتا چلا کہ انگریزی فوج قلعہ میں آگئی ہے سلطان نے یہ کہہ کر کھانے سے ہاتھ اٹھالیا۔ ''ہم بھی عنقریب جانے والے ہیں''

اسی وقت انگریز فوج اندر آ چکی تھی۔ سلطان ڈ ڈی دروازے کی طرف بڑھا چند جان نثار ساتھ تھے انہوں نے مشورہ دیا کہ قلعے سے باہر نکل کر کسی اور جگہ پر پناہ لی جائے لیکن میر صادق نے باہر نکل کر دروازہ بند کرا دیا اور خود شہر کی جانب روانہ ہو گیا ایک جان نثار اس کی غداری کو بھانپ لیا اور پیچھے دوڑ کر تلوار کے ایک ہی وار سے اس کی گردن اڑا دی۔

اب سلطان ہر طرف سے انگریز فوج میں گھر چکا تھا۔ اس کے باوجود اس کی تلوار اپنے جوہر دکھا رہی تھی۔ سلطان کے دو زخم لگ چکے تھے۔ تیسری زخم نے نڈھال کر دیا۔ وفاداروں نے اٹھا کر پالکی میں ڈالنا چاہا۔ لیکن ایک ہجوم نے انہیں پرے دھکیل دیا۔ سلطان زخموں سے چور کر زمین پر گر پڑا۔ ایک انگریز سپاہی نے آگے بڑھ کر اس کی بیش قیمت پیٹی اتارنا چاہی۔ ابھی سلطان میں زندگی کی رمق اور غیرت کا جوش باقی تھا۔ فوراً تلوار کا وار کیا۔ اور سپاہی کو کاٹ کر پرے پھینک دیا۔ ایک اور سپاہی یا شاید اسی سپاہی نے پستول کے وار سے سلطان کو شہید کر دیا۔

سلطان ٹیپو کی عام طور پر مشہور فوٹو میں وہ بغیر داڑھی کے دکھایا جاتا ہے تاہم قائد اعظم لائبریری میں ایک کتاب موجود ہے جس کے ٹائیٹل پر سلطان ٹیپو کی تصویر ''باشرع'' پوری داڑھی کے ساتھ دکھائی گئی ہے۔ اس صفحے کی فوٹو کاپی بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ انگریزوں نے سلطان کو مسلمانوں کی نگاہوں سے گرانے کے لئے عرصے بعد جو تصویر جاری کی وہ اپنی مرضی کے مطابق تھی ورنہ تحریک شہیدین جیسی تحریک 30 سال کا انتظار کئے بغیر ہی جنوبی ہندوستان سے شروع ہو جاتی

یہ سیمینار 3 جون 2007ء بروز اتوار صبح 9.00 بجے تا 11.00 بجے منعقد ہوا اس میں جناب پروفیسر خان محمد صاحب (ر) وائس پرنسپل، جناب پروفیسر مہر غلام سرور صاحب اور پروفیسر حسن محمود اقبال صاحب کے علاوہ دیگر اہل علم حضرات نے سلطان فتح علی ٹیپو شہید کے حالات زندگی پر اظہار خیال فرمایا۔

مدیر کے نام

جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب

مدیر حکمت بالغہ جھنگ

ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' ستمبر 2009ء کے شمارہ میں آپ نے غیر معمولی محنت، عرق ریزی اور تحقیقی کاوش سے مذکور بالا موضوع پر قلمکاری کی ہے۔ بظاہر تو مرکزی موضوع احمد شاہ ابدالی رحمہ اللہ کی شخصیت اور کارنامے ہیں مگر زیرِ نظر موضوع' تاریخی، جغرافیائی، صنعتی، ثقافتی، مذہبی اور سیاسی اُتار چڑھاؤ جو مضمون ھذا میں پیش کیا گیا ہے' کی بدولت مرکزی مضمون دب گیا ہے۔ بہ الفاظ دیگر جس شایانِ شان انداز میں ابدالی رحمہ اللہ کی شخصیت اور کارنامے HIGHLIGHT ہونے چاہئیں تھے' نہیں ہو سکے۔

تحریر، زیرِ تبصرہ اعلیٰ علمی طبقوں میں تو قابلِ تحسین حد تک معیاری ہے مگر عوامی سطح پر شاید اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہ کیا جا سکے۔ اٹھارھویں صدی، کولمبس، واسکوڈی گاما، انقلاب فرانس امریکہ کی جنگ آزادی، برطانیہ عظمیٰ، وسطی ایشیا، جنوبی ایشیا اور یورپ وغیرہ یہ سب عنوانات آج کے ایف اے، بی اے کے معیارِ تعلیم سے بہت ماوراء ہیں۔

ابدالی رحمہ اللہ بلاشبہ دنیائے اسلام کا جلیل القدر سپوت ہونے کے ساتھ ساتھ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کا محسن بھی ہے۔ اس پُر آشوب مرحلہ پر مسلمانانِ ہند کی مدد کو نہ آتا تو عین ممکن تھا کہ مرہٹہ طوفانِ بلاخیز سرزمین ہند سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیتا۔

عظیم مسلمان فاتحین اور حکمرانوں سے روایتی غلطی کا ارتکاب ہوتا رہا ہے' عرب کی اُس وقت کی مرکزی حکومت محمد بن قاسم رحمہ اللہ کو واپس نہ بلاتی تو محمد بن قاسم فاتحِ سندھ ہی نہیں فاتحِ

ہند ہوتا۔ بعد میں سلطان محمود غزنوی نے تقریباً سارے ہندوستان کو روند ڈالا تاہم مستقل پائیدار حکومت کے قیام کا کوئی منصوبہ تشکیل پاتا نظر نہیں آتا۔ شہاب الدین غوری نے مستقل مسلم حکومت کے قیام کی تدبیر کی مگر زیادہ کام اپنے جانشینوں سے چلایا۔ عہد سلاطین کے بعد مغل آئے' اکبر اعظم نے مسلم اقتدار کے خاتمے اور سلطنت کی جڑوں کو اکھاڑنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کی 1707ء میں وفات کے بعد تمام مغل جانشین عیاش، نااہل اور نالائق ثابت ہوگئے۔ ہند میں مسلم زوال پستی کی انتہا کو جا پہنچا یہاں تک کہ مرہٹہ سیلاب نے مغل حکمرانوں کو قتل کر کے دہلی پر قبضہ کر لیا۔ نیز مرہٹوں نے مسلمانانِ ہند کو الٹی میٹم دیا کہ وہ ہندو ہو جائیں یا ہند سے افغانستان یا ایران چلے جائیں بصورتِ دیگر اُن کو ختم کر دیا جائے گا۔ ان گھمبیر اور تباہ کن حالات میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی دعوت اور پیہم اصرار پر ابدالی رحمہ اللہ مرہٹوں کے خلاف فیصلہ کن پنجہ آزمائی کرنے کے لئے (1761ء میں) پانی پت کے تاریخی میدانِ جنگ میں وارد ہوا۔ ابدالی رحمہ اللہ نے لاکھوں کے مرہٹہ لشکر کو ایسی ذلت آمیز اور عبرتناک ہزیمت سے دوچار کیا کہ آئندہ کے لئے مرہٹہ ناسور پیوندِ خاک ہو گیا۔ کاش! اس نازک مرحلہ پر ابدالی ہند میں مستقل قیام کی سوچتا تو بعد میں سکھا شاہی اور گوراشاہی کی نوبت نہ آتی۔ آج یقیناً برصغیر پاک و ہند کا نقشہ مختلف ہوتا۔

مسلمانوں کا ماضی اور حال کا نقشہ بالکل متضاد تصویر پیش کر رہا ہے کہاں ایک جرنیل ہزاروں میل دور مسلمانوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے نکل کھڑا ہوتا ہے اور کہاں گھر کے اندر ہی دشمن کو گھسنے کی دعوت و اجازت۔ کبھی ساحلِ اُندلس پر ورود کے بعد طارق بن زیادہ نے کشتیاں نذرِ آتش کر دیں۔ قتیبہ بن مسلم کاشغر (چین کا دروازہ) تک جا پہنچا۔ محمد بن قاسم صرف 17 سال کی عمر میں ایک مسلمان خاتون کی پکار پر سندھ و ہند پہنچا۔ صلاح الدین ایوبی کی یلغاروں نے عیسائی دنیا کے ایوانوں میں تہلکہ مچا دیا۔ غزنوی، غوری، ابدالی اور ٹیپو کی غیرت و جرأت نے دائمی اور ابدی نقش ثبت کیے۔

ؔ کیا نہیں ہے غزنوی کار گاہِ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہلِ حرم کے سومنات
قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں

گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ وفرات (اقبالؒ)

سلطان ٹیپوؒ کے چشم کشا مقولہ میں دورِ حاضر کے بے غیرت، ڈرپوک، زر پرست حکمرانوں کے لئے کیا پیغام ہے؟ شیر کی ایک دن کی زندگی گیڈر کی سوسالہ زندگی سے بدرجہ بہتر ہے

ے تو رہِ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہمنشین ہو تو محمل نہ کر قبول (اقبالؒ)

دورِ حاضر کے مسلمان حکمرانوں کی افسوسناک بے حسی، بے کسی، ہوسِ مال و جاہ، بے بسی، خوئے غلامی نہ جانے ملت اسلامیہ کوکس المیہ سے دو چار کرے گی۔ سقوطِ بغداد (1258ء)،سقوطِ غرناطہ(1492ء)،سقوطِ دلّی(1857ء)سقوطِ ڈھاکہ(1971ء)۔

اللہ نا کرے کوئی مزید سقوط ہمارا مقدر بنے۔اب تو کسی قاسم،غزنوی،ابدالیؒ کے آنے کی بھی کوئی اُمید نہیں۔سی آئی اے اور بلیک واٹراب ہماری قسمت کے مالک ہیں۔

ے تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

فاعتبرو یا اولی الابصار !! خیراندیش: ریٹائرڈ پروفیسر غلام سرور
شعبہ تاریخ جھنگ

محترمی ومکرمی انجینئر مختار فاروقی صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

حکمت بالغہ باقاعدگی سے مل رہا ہے ۔ جزاکم اللہ احسن الجزا۔ ''احیاء العلوم نمبر'' نے امام غزالی کی یادتازہ کردی ہے بلکہ ایک اعتبار سے اس کی افادیت امام موصوف کے کام سے بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے وہ اس طرح کہ اس زمانے میں سائنسی علوم کا یہ سیلاب ابھی نہیں آیا تھا جو گزشتہ ڈیڑھ دوصدیوں سے شروع ہوکر اب پورے کرہ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔آپ نے ایسے وقت میں جبکہ ساری مسلم دنیا انتہائی مرعوبیت کے عالم میں اپنے نظام تعلیم کو مغربی نظام تعلیم سے ہم آہنگ کرنے کیلئے کوشاں ہے''احیاء العلوم'' کا چراغ

روشن کر کے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم سے نوازے اور اس چراغ کی روشنی اوّلاً پاکستان اور بعدہٗ پورے عالم اسلام میں پھیلا دے وما ذلك على الله بعزيز۔

ادھر آپ کی اس عمدہ کاوش کا مطالعہ کیا ہی تھا کہ یہ خبر پڑھنے کو ملی کہ سعودی عرب ماشاء اللہ سائنس وٹیکنالوجی کی ایک ایسی یونیورسٹی قائم کر رہا ہے۔ جس میں مخلوط تعلیم کا انتظام ہوگا۔ اس سلسلے کی تازہ خبر یہ ہے (بحوالہ انگریزی اخبار) کہ اس راہ میں رکاوٹ بننے والوں سے حضرت شاہ صاحب خود نبٹ رہے ہیں اور فوری طور پر سعودی عرب کی اعلیٰ اختیاراتی علماء کمیٹی کے ایک ممبر شيخ سعد بن نصر الشيشرى کو برطرف کر دیا گیا ہے ان کا قصور یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ مخلوط تعلیم کے خلاف تھے۔ علاوہ ازیں سائنس کے نام پر نصاب میں شامل کی جانے والی بعض چیزوں جیسے ڈارون کا نظریہ ارتقاء وغیرہ کے حوالے سے بھی انہیں کچھ تحفظات تھے۔ ادھر ہمارے اپنے ملک میں حال ہی میں جو تعلیمی پالیسی جاری کی گئی ہے۔ اس کا ہدف بھی یہی ہے کہ اسے عالمی تقاضوں کے مطابق کیسے بنایا جائے حتیٰ کہ دینی مدارس کے بارے میں بھی یہی کوشش کی جارہی ہے کہ ان میں مادہ پرستی کا عنصر کیسے شامل کیا جائے ایسے میں "ابلیسی نظام تعلیم کو مشرف بہ اسلام کر کے خداشناس ووحی شناس" بنانا جگر گردے کا کام ہے آپ نے جس محنت سے اتنا عمدہ مواد اکٹھا کیا اور خوبصورتی سے اس کو پیش کیا ہے اس پر میں آپ کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وسلامتی سے نوازے اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔

آخر میں میری تجویز ہے کہ "**احیاء العلوم نمبر**" ملک کی تمام یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز، وفاقی وصوبائی وزرائے تعلیم کو اس درخواست کے ساتھ بھجوایا جائے کہ وہ اس کا مطالعہ ضرور کریں۔ اس سے "معذۃ الیٰ ربکم ولعلھم یرجعون" کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

والسلام مع الاکرام   اخو کم فی اللہ

ضمیر اختر خان

ان شاء الله العزیز

رفقاء تنظیم اسلامی کا سالانہ

کل پاکستان اجتماع

15 نومبر بروز اتوار نمازِ عصر

تا

17 نومبر 2009ء نماز ظہر

بمقام

مرکزی اجتماع گاہ تنظیم اسلامی بہاولپور

رفقاء کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ 15 نومبر 09ء

3 بجے سہ پہر تک اجتماع گاہ میں پہنچ جائیں

المعلن

ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان

فون: 042-36316638-36366638

قرآن فھمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع!

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1۔ قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطہ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔
اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے، مزید برآں 44 آڈیو کیسٹس کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2۔ عربی گرائمر خط و کتابت (I,II,III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے عربی گرائمر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرائمر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرائمر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3۔ ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلباء و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہ راست سمجھائے اور یاد کروائے جاتے ہیں اور اس طرح آیات قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی 36، کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501

بچوں کی دعا

مُبْتَسِمًا اَصْحُوْ مِنْ نَّوْمِ　　بِنِشَاطٍ اَسْتَقْبِلُ يَوْمِ
میں مسکراتے ہوئے اپنی نیند سے بیدار ہوتا ہوں　　چستی کے ساتھ اپنے دن کا استقبال کرتا ہوں

اَتَوَضَّؤُ بِالْمَاءِ طَهُوْرًا　　وَ اُصَلِّیْ لِلّٰهِ شَكُوْرًا
پاکیزہ پانی کے ساتھ وضو کرتا ہوں　　اور نماز پڑھتا ہوں اللہ کا شکر کرتے ہوئے

عِنْدَ سُجُوْدِیْ اَدْعُوْ رَبِّ　　كَانَ يَأْمُرَ بِالتَّقْوٰی قَلْبِیْ
اپنے سجدوں میں اپنے رب کو پکارتا ہوں　　گویا میرا دل مجھے تقویٰ کا مشورہ دیتا ہے

بَعْدَ صَلَاتِیْ تُشْرِقُ نَفْسِیْ　　بِضِيَاءٍ يَسْطَعُ كَالشَّمْسِ
نماز کے بعد میرا نفس جگمگا جاتا ہے　　ایسی روشنی سے جو دھوپ کی طرح پھیلتی ہے

اَقْرَأُ اٰيَاتِ الْقُرْآنِ　　اَتَذَوَّقُ طَعْمَ الْاِيْمَانِ
قرآن کی آیات کی تلاوت کرتا ہوں　　ایمان کی لذت حاصل کرتا ہوں

ذِكْرُ اِلٰهِیْ مَا اَحْلَاه　　مَا اَجْمَلَهٗ مَا اَبْهَاهُ
میرے اللہ کی یاد کس قدر میٹھی ہے　　کس قدر اچھی ہے کس قدر خوبصورت ہے

كُلُّ الْكَوْنِ يُسَبِّحُ رَبِّ　　يَدْعُو، يُسَبِّحُ وَ يُلَبِّیْ
ساری کائنات میرے رب کی تسبیح کرتی ہے　　دعا مانگتی، پاکی بیان کرتی اور تلبیہ پڑھتی ہے

الشَّمْسُ تُصَلِّیْ وَ الْقَمَرْ　　وَ الزَّرْعُ يُسَبِّحُ وَ الشَّجَرْ
سورج بھی سربسجود ہوتا ہے اور چاند بھی　　کھیتی بھی پاکی بیان کرتی ہے اور درخت بھی

شَقْشَقَةُ الْعُصْفُوْرِ صَلَاةٌ　　وَ دُعَاءٌ يَعْلَمُهُ اللّٰهُ
چڑیا کا آواز نکالنا بھی نماز ہے　　اور ایسی دعا ہے جس کو اللہ جانتا ہے

مرسلہ ناعمہ ہمدم جھنگ